کیوں کہ......
عورت نے پیار کیا

(سماجی ناول)

مصنفہ : زیبا رشید

مترجم : محمد نہال افروز

کیوں کہ......عورت نے پیار کیا

(سماجی ناول)

کیوں کہ......عورت نے پیار کیا

(سماجی ناول)

مصنفہ: زیبا رشید

مترجم: محمد نہال افروز

KYUN KE..... AURAT NE PYAR KIYA

(NOVEL)

by

Zaiba Rasheed

Translated by

Md Nehal Afroz

Year of Edition 2016
ISBN 81-88891-51-7
Rs- 200/-

نام کتاب : کیوں کہ.....عورت نے پیار کیا(ناول)
مصنف : زیبا رشید
مترجم : محمد نہال افروز
سنہ اشاعت : ۲۰۱۶ء
قیمت : ۲۰۰ روپے
مطبع : روشان پرنٹرس، دہلی۔٦

Published by
EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE
3108,Vakil Street, Kucha Pandit, Lal Kuan, Delhi-6(INDIA)
Ph : 23216162, 23214465, Fax : 0091-11-23211540
E-mail: info@ephbooks.com,ephdelhi@yahoo.com
website: www.ephbooks.com

انتساب

ہندی کتھا ساہتیہ میں دلچسپی رکھنے والے

اردو قارئین

اور

اس ناول کی ہیروئین 'زینب'

کے نام

عرض مترجم

ناول ''کیوں کہ......عورت نے پیار کیا'' ہندی کی معروف فکشن نگار زیبا رشید کا دوسرا ناول ہے۔اس ناول کی پہلی اشاعت 2009ء میں راجستھانی گرنتھا گار، جودھ پور سے ہوئی۔اس سے پہلے ان کا ایک ناول ''لمحے کی چبھن'' اور متعدد کہانیوں کے مجموعے منظر عام پر آ کر داد و تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ناول ''کیوں کہ......عورت نے پیار کیا'' کی اشاعت کے ایک سال بعد ہی اس کو ''شیلانگ اکادمی'' میگھالیہ کے ''شری مہاراج کرشن کمار جین'' ایوارڈ سے نوازا گیا۔اس ناول کو حال ہی میں سبھاش گھئی نے ''ای پتریکا'' کنیڈا میں دوبارہ شائع کیا۔ناول کی مقبولیت کو دیکھتے ہوئے زیبا رشید کی دلی خواہش ہوئی کہ یہ ناول اردو میں بھی شائع ہو اور اس کے لیے انہوں نے مجھے اس ناول کو اردو میں ترجمہ کرنے کی ذمہ داری سونپی۔

ترجمہ کرنے سے پہلے مجھے ترجمے کا کام بہت آسان معلوم ہوتا تھا، لیکن ترجمہ کرنے کے بعد مجھے تجربہ ہوا کہ ترجمہ تخلیق سے بھی زیادہ مشکل ہوتا ہے۔ میں یہ سمجھتا تھا کہ ترجمہ نگار کا کام کسی تحریر، تصنیف یا تالیف کو دوسری زبان میں منتقل کرنا ہوتا ہے۔لیکن ایسا نہیں ہے ترجمہ نگار کا اصل کام یہ ہوتا ہے کہ وہ اس خوبصورتی سے ترجمہ کرے کہ قاری اصل متن سے موازنہ کیے بغیر بحسن خوبی پڑھ سکے۔ترجمے میں یہ خصوصیات پیدا کرنا بہت مشکل امر ہوتا ہے۔ معروف ترجمہ نگار پروفیسر عبدالرؤف نے ترجمے کی مشکلات کے پیش نظر ان خیالات کا اظہار کیا ہے:

> "Translation is like a young girl,if faithful not beautiful,if beautiful not faithful."
>
> (http://www.urdulinks.com/urj/?p=276)

اس ناول کا ترجمہ کرتے وقت میں نے اس بات کا خیال رکھا ہے کہ مصنفہ کا اصل متن مجروح نہ ہونے پائے۔ساتھ ہی اس بات کا بھی خیال رکھا ہے کہ ناول کا پلاٹ، زماں ومکاں اور معنی ومفہوم برقرار رہے۔ترجمہ کرتے وقت کہیں کہیں ایسے الفاظ بھی ملتے ہیں جن کا متبادل بڑی مشکل سے ملتا ہےاور کبھی کبھی تو ملتا ہی نہیں ایسے حالات میں قریب ترین لفظ کا انتخاب کرنا ہی پڑتا ہے، جو میں نے کیا ہے۔ایسے میں اکثر پورا جملہ ہی بدل جاتا ہے،لیکن اس سے الفاظ کے معنی اور کہانی پن پر کوئی منفی اثر نہ پڑے اس کی پوری کوشش کی گئی ہے۔

اس ناول کے ترجمے میں ایک دو باتوں کواور مدنظر رکھا گیا ہے، جیسے متن میں استعمال ہوئے انگریزی الفاظ کو من وعن اردو رسم الخط میں لکھ دیا گیا ہے۔مثلاً اسٹینڈر، ایکسی ڈینٹ، ڈپریشن، اینٹی بائیٹک ،وارننگ، کارٹیج وارڈ ،میڈیکل وغیرہ؛ اس کے علاوہ جہاں کہیں بھی ہندی کے مشکل الفاظ استعمال ہوئے ہیں، اس جگہ پر میں نے بھی اردو کے مشکل اور دقیق لفظ استعمال کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ ترجمے میں اصل متن کا اندازہ کیا جاسکے۔ناول میں کئی مقامات ایسے بھی آئے ہیں جہاں ہندی کے ان الفاظ کو بھی ہو بہو رقم کردیا گیا ہے، جو اردو میں بھی مستعمل ہیں۔کیوں کہ ان کے ترجمے سے کہانی پن کی اصلیت مجروح ہورہی تھی۔

یہاں یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ افسانوی ادب سے خاص شغف اور مزاجی مناسبت رکھنے کی وجہ سے ہی میں نے ترجمے کے لیے معاصر ہندی فکشن کا انتخاب کیا ہے۔زیرنظر ترجمہ اس سلسلے کی دوسری کوشش ہے،امید کرتا ہوں کہ میری اس کاوش کا قارئین بھرپور استقبال کر کے میری حوصلہ افزائی کریں گے۔

محمد نہال افروز
ریسرچ اسکالر، شعبۂ اردو
مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

☆☆

حق نے دیا فکرِ رسا

اُردو ادب میں ریسرچ اسکالرز کی حیثیت سے اُبھرنے والوں میں چند ایسے نام سامنے آئے ہیں، جو تنقید، تحقیق، شاعری، افسانہ اور تراجم کے میدانوں میں پوری لگن، محنت اور دیانت داری کے ساتھ کام کر رہے ہیں جن کی کتابیں اور مضامین دیکھنے کے بعد اُمید نہیں بلکہ یقین ہوتا ہے کہ اُردو ادب کی یہ نئی نسل جہاں ادب کے کارواں کو نئی منزلوں سے روشناس کرائے گی وہیں یہ اپنا نام روشن کرنے میں بھی ضرور کامیاب ہو جائے گی۔

محمد نہال افروز کا تعلق بھی اسی تازہ کار نسل سے ہے۔ وہ الہ آباد کے متوطن ہیں اور فی الحال مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی، حیدرآباد سے پی ایچ ڈی کی ڈگری کے حصول میں لگے ہوئے ہیں۔ وہ جس لگن کے ساتھ اسے انجام دے رہے ہیں اُسی شوق و ذوق کے ساتھ ترجمہ نگاری کے میدان میں بھی جوہر دکھا رہے ہیں۔ میرے مطالعے میں اس وقت اُن کا ایک ترجمہ شدہ مسودہ، جو ہندی کی مقبول ادیبہ زیبا رشید کے ناول ''کیونکہ......عورت نے پیار کیا'' موجود ہے۔ اس سے قبل بھی وہ ہندی کے ایک مشہور ادیب انور سہیل کے ناول ''پہچان'' سے اردو قارئین کو متعارف کروا چکے ہیں۔

اُردو قارئین کے لیے یہ بتانا بھی نہایت ضروری ہے کہ زیبا رشید ۱۹۶۸ء سے ہندی میں تواتر کے ساتھ لکھ رہی ہیں اور اب تک اُن کے افسانوں کے پانچ مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ اُن کا پہلا ناول ''لمحے کی چبھن'' ۱۹۹۶ء میں شائع ہوا تھا اس کے بعد اُن کا دوسرا ناول ''کیونکہ...... عورت نے پیار کیا'' ۲۰۰۹ء میں شائع ہوا۔ وہ افسانہ اور ناول کے علاوہ شاعری ،طنز و مزاح، بھی لکھتی ہیں۔ اُن کا بنیادی موضوع ''عورت'' ہے۔ یعنی وہ نسائی ادب تخلیق کرتی ہیں۔ وہ عورتوں کے گھریلو، جنسی مسائل اور اُن کے استحصال کو اُجاگر کرتی ہیں۔

زیبا رشید کا یہ ناول بھی نسائی مسائل کی عکاسی کرتا ہے۔ اس میں ایک ایسی لڑکی کی زندگی پیش کی گئی ہے جو تعلیم یافتہ اور متمول گھرانے سے تعلق رکھنے کے باوجود بھی اپنے غیر یقینی زندگی اور مستقبل کی صبر آزما جنگ لڑ رہی ہے۔ مرد معاشرہ عورت کا قدم قدم پر کس طرح استحصال

کرتا ہے۔اُسے صرف دل بستگی اور جنسی بھوک مٹانے کا سامان سمجھا جاتا ہے بڑے بڑے دعوے کرنے کے باوجود بھی عورت اپنی اہمیت اور اپنے حقوق سے محروم ہے۔ناول کی ہیروئین زینب، جس نے اپنے محبوب سے ٹوٹ کر محبت کی تھی، وہ اُسے نہایت آسانی سے فراموش کر کے کسی اور سے شادی کر لیتا ہے۔دوسرا نوجوان اُس کی اُس محبت کی آڑ میں اپنی محبت کا کھیل رچا کر اور اپنی جنسی خواہشات کی تکمیل کے بعد چھوڑ دیتا ہے۔وہ اپنے خالہ زاد بھائی ریحان سے بیاہی جاتی ہے۔جس کا بیوی کے تعلق سے یہ نظریہ ہے کہ وہ پیر کی جوتی کے برابر ہے۔ناول کے ابتدائی حصے پر ایسا گمان ہوتا ہے گویا ہم بانو قدسیہ کے ناول ''راجہ گدھ'' کا مطالعہ کر رہے ہیں، لیکن آہستہ آہستہ ناول اپنی الگ راہ پر چل پڑتا ہے۔

ناول کی اس کہانی پر بحث کرنے کے بجائے یہ دیکھنا ہے کہ محمد نہال افروز نے اس کا ترجمہ کس انداز سے کیا ہے۔ وہ ترجمے کے اُصولوں سے کہاں تک واقف ہیں۔اُن کے اس ترجمے کو اُردو قارئین تحسین کی نظروں سے دیکھیں گے یا یہ اُن کی اُمیدوں پر پورا نہیں اُترے گا؟ مجھے یہ لکھتے ہوئے خوشی محسوس ہوتی ہے کہ مترجم نے یہ کام نہایت محنت اور لگن سے انجام دیا ہے۔ وہ ترجمے کے فن سے واقف ہی نہیں بلکہ یہ بھی جانتے ہیں کہ کسی زبان کی تخلیق کو دوسری زبان میں منتقل کرتے وقت اُس زبان کی ادبی خوبیوں کو کس طرح محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔مذکورہ ناول کا مطالعہ ثابت کرتا ہے کہ نہال افروز نے لفظی ترجمے کے بجائے متن پر گرفت کی ہے اور نہایت سلیس اور رواں زبان میں ایسا ترجمہ پیش کیا ہے کہ وہ طبع زاد ناول کا لطف دیتا ہے۔سعادت حسن منٹو کے تراجم پڑھنے کے بعد کبھی باری علیگ نے اُنھیں خود اپنی افسانہ نگاری کا مشورہ دیا تھا۔میرا جی چاہتا ہے کہ یہی بات میں نہال افروز سے بھی کہہ دوں۔

اس کامیاب ترجمہ نگاری اور اس کی اشاعت پر میں اُنھیں مبارکباد پیش کرتا ہوں اور ساتھ یہ مشورہ بھی دیتا ہوں کہ جس طرح وہ ہندی تخلیقات کو اردو میں پیش کر رہے ہیں اُسی طرح اُردو ناول اور افسانوں کو بھی ہندی میں منتقل کریں، تاکہ ہر دو زبان کے قارئین ایک دوسرے کے ادب سے واقف ہو سکیں گے۔

نورالحسنین
اورنگ آباد(دکن)

عورت تو اس روٹی کی طرح ہوتی ہے جسے
اندار رکھ دیں تو سوکھ جاتی ہے اور باہر رکھ دیں
تو کووے لوٹ لیتے ہیں۔

☆☆☆

عورت ...... کیوں اپنی حفاظت اور سر کی چھت کے لیے زندگی بھر
گھر گرہستی کے لیز پر دستخط کرتی ہے؟

☆☆☆

عورت ...... جنم دیتی ہے...... پھر بھی ......
ماں...... بیٹی...... بہن...... بیوی...... ہر طور پر
کیوں پریشان کی جاتی ہے عورت......؟

☆☆☆

عورت...... کیوں اپنی حفاظت اور سر کی چھت کے لیے زندگی بھر
گھر گرہستی کے لیز پر دستخط کرتی ہے؟ آج عورت کا وجود بھی
نادر چڑیا کوئل کی طرح ختم ہوتا جا رہا ہے؟ بے شمار سوال ہیں، جو
منڈیر پر بیٹھی چڑیا کی طرح جاننا چاہتی ہے عورت!

☆☆☆

عورت ...... پوری عمر دوسروں کے لیے ہی تو جیتی ہے۔
جنم لیتی ہے...... کہیں جنم لینے کا قرض ادا کرتی ہے۔
کہیں شادی کا،......تو کہیں گھر گرہستی کا۔
ہمیشہ دوسروں کی خواہشوں کا ٹوکرا لادے گھومتی ہے۔
کیوں کہ عورت نے پیار کیا............
کرتی ہے............................
کرتی رہے گی ....

زیبا رشید

قلم کچھ کہتی ہے............

جب سے دنیا بنی ہے تب سے ہی اس کے اوپر جال پھینکا جا تا رہا ہے۔ اسے اپنے ہنر کی وجہ ہی سے تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔ اندھی احترام میں اندھی کا کردار ادا کرنے والی 'گندھاری' کی طرح زندگی بتانے والی عورت کو کب آزادی ملے گی۔

اب وہ زندگی کی اُدھڑی سلائی کو سوئی دھاگے سے سل کر اپنے حوصلے سے جینا چاہتی ہے۔ ساری عمر دوسروں کی مرضی پر چلتی رہی، اب سمجھداری آگئی تو اپنی مرضی سے جینا چاہتی ہے۔

''حنیفہ'' سالوں پہلے مجھے اپنا درد سناتی تھی۔ میرے دل میں گہرائی سے بیٹھ گیا اس کا درد۔ آج اچانک میرے قلم کاغذ کی زمین پر اترنے لگا۔

میرے قلم کی سیاہی میں صرف اس عورت حنیفہ کا درد ہی نہیں ......کئی عورتوں کی درد کا گاڑھا رنگ ہے۔

شوہر بیوی کے پرسکون رشتے کے عکس کو خوبصورت انداز سے ایمانداری کے ساتھ برتنے سنوارنے کی کوشش کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش ہے یہ ناول۔

یہ ناول موجودہ دور میں پنپ رہی زندگی کے سلسلوں کو سمجھانے میں مددگار ثابت ہوگا۔ آپ لوگوں کو محسوس ہوگا کہ اس ناول میں کہیں نہ کہیں ہمارے آس پاس کے لوگ یا ہم موجود ہیں...... یہ ناول ہماری زندگیوں کا عکس ہے'' کیوں کہ عورت نے پیار کیا''

زندگی کے مختلف پہلوؤں کو سمجھانے کے لیے تمام طرح کی کوشش کرتی عورت کی آواز اب بے باک ہو رہی ہے......

وہ کہتی ہے............

میں دوبارہ جینا چاہتی ہوں۔ دوبارہ اسی ڈگر پر چلنا چاہتی ہوں، جہاں سے پہلا قدم چلنا شروع کیا تھا۔

میں امید کرتی ہوں کہ قاری عورت کی اس سوچ کا استقبال کریں گے۔

زیبا رشید
151، چوپاسنی چنگی، چوکی کے پیچھے، جودھ پور
راجستھان-342009
موبائل نمبر-9829332268

ایک

سورج کے اوپر ہمیشہ کے لیے الزام ہے کہ وہ شام کو چھوڑ جاتا ہے۔ وہ سورج کو جاتے ہوئے دیکھتی ہے۔ اذیت و مصیبت سے اس کا چہرا تمتما کر افق تک لال ہو جاتا ہے۔ سورج کا تو کہنا ہے کہ میں تو روز آتا جاتا ہوں۔ بچھڑنے کا غم کیوں؟

ڈھلتا سورج شام کے جسم کو جلاتا نہیں بلکہ شام کے جسم کو گنگنا سا احساس دیتے ہوئے اداس ہو کر سمندر میں اتر جاتا ہے۔

یہ سوچ کر کہ وہ کل واپس آئے گا، شام کچھ دیر کے لیے خوش ہو جاتی ہے۔ سہیلی ہوا اس کے دکھ کو اپنی ٹھنڈک سے سہلاتی ہے۔ ماحول خوشگوار ہو جاتا ہے۔ وہ دیکھتی ہے، اس وقت سارے خاندان والوں کا جمع ہونا، بچوں کو پڑھائی کی فکر چھوڑ کر کھیلنے نکلنا اور دن بھر کام پر گئے خاندان کے لوگوں کا لوٹنا۔

شام ......سردیوں کی ہو، گرمیوں کی یا برسات کی۔ صدیوں سے شام کا انسان اور جانور سے گہرا رشتہ چلا آ رہا ہے۔ شام ہوتے ہی شوہر اور بچوں کے انتظار میں عورتیں دروازوں پر کھڑی رہتی ہیں۔ سب کا گھروں میں لوٹنا، سورج کا شام کو چھوڑ کر جانا ......۔

سورج کو جاتا ہوا دیکھ کر روک نہ پانے کی بے بسی میں شام کے چہرے پر جدا ہونے کی راکھ پھیلنے لگی۔ اسی لیے شام اداسی کے ساتھ رات کے آغوش میں منھ چھپانے کے لیے دوڑی چلی جاتی ہے۔

زینب سوچتی ہے سورج کا شام کو چھوڑ کر جانا اور کاشف کا مجھے چھوڑ کر جانا ...... وہ اداسی کی گہری کھائیں میں چلی گئی۔

باغیچے کی طرف جاتے ہوئے سعد سوچ رہا تھا کہ سورج کا شام کو چھوڑ جانا اور کاشف کا

زینب کو چھوڑ جانا...... اسے شام ہی کی طرح اداس کر گیا ہے۔ ابھی وہ باغیچے میں گل مہر کے نیچے بنچ پر اداس بیٹھی ہو گی۔ جہاں وہ روز ملتے تھے۔ کاشف سے ملنے کی چاہت میں وہ روز گل مہر تک دوڑی چلی جاتی ہے۔

شام...... گل مہر کا پیڑ...... وہ اور میں...... دو سال سے دیکھ رہا تھا میرا وہ خواب پورا ہو جائے گا؟ ...... میری محبت اسے معلوم ہونے سے پہلے زینب اور کاشف کی محبت سب کے سامنے آ گئی۔ وہ آنکھیں بند کیے بیٹھی تھی۔ اس نے آنکھ کھول کر دیکھا پھر بند کر لیا۔ بند آنکھوں سے گال پر ہوتے ہوئے آنسو زمین پر ٹپک پڑے۔

اس زندہ لاش کے پاس تو جیسے یادوں کے گِدھ منڈرا رہے ہیں۔ اسے نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں۔

''تو ہو گئی شادی؟'' اچانک زینب نے پوچھا۔

شاید وہ کاشف سے نہیں کے جواب کی امید رکھتی تھی۔

''دولہا بن کر بہت خوبصورت لگ رہا ہوگا؟ کیا دلہن بھی اتنی ہے خوبصورت ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''معمولی لڑکیوں کی طرح ہے...... دلہن بننے پہ تو ہر لڑکی خوبصورت ہی لگتی ہے۔'' اس نے بات ٹالنی چاہی۔

''ہاں'' وہ خود پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔

''شادی کے وقت وہ بہت خوش لگ رہا ہوگا۔ پھر بھی کیا وہ میرے لیے پریشان تھا؟'' تھوڑی دیر خاموش رہ کر پھر ایک سوال کیا۔

سعد سمجھ گیا یہ شادی کے بارے میں سب کچھ جاننا چاہتی ہے۔

شادی کے بارے میں، شاندار پارٹی کے بارے میں، خوشیاں سب کچھ جاننا چاہتی ہیں لیکن بتا کر وہ اسے تکلیف نہیں پہنچانا چاہتا تھا۔

''بتاؤ نہ سعد، وہ خوش تھا؟''

''پتا نہیں............''

''تو تم کیا کرنے گئے تھے؟'' اس نے چیخ کر کہا۔ ''کیا صرف بہترین کھانا کھانے اور

لڑکیوں کو تاکنے............؟''

''چھوڑ و یار'' سعد نے اس کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔

''تمہیں اتنا تو معلوم ہونا چاہیئے نہ سعد کہ وہ اس شادی سے خوش ہے یا نہیں۔تم اس کے دوست ہو'' ''ہاں...... بہت خوش تو نہیں لگ رہا تھا، جیسے عام لڑکے ہوتے ہیں۔''

''جھوٹ مت بولو'' زینب چیخی۔''اگر خوش نہیں تھا تو اس نے شادی کیوں کی؟ مانا کہ کسی وجہ سے ہمارے گھر والے ہماری شادی نہیں ہونے دیتے، لیکن وہ بھی ابھی شادی کے لیے ہاں نہیں کہتا تو کچھ وقت تو ہم اور ساتھ رہ سکتے تھے نہ''

''ہاں تعلیم مکمل ہونے تک تو ساتھ رہ سکتے تھے۔''

زینب کے گالوں پہ موٹے موٹے آنسو لڑھکنے لگے۔''سعد کیا لوگوں کے دل اسی لیے ہوتے ہیں کہ اپنا دل بہلانے کے لیے دوسروں کے دل سے کھیلیں۔'' اس نے پھر سوال کیا۔

''کیا وہ اپنی بیوی کو زیادہ پیار کر پائے گا۔''

''پتا نہیں''

''نہیں بیوی کبھی محبوبہ نہیں بن سکتی۔اگر ہو سکتی تو دنیا میں محبوبہ اور بیوی کے لیے ایک ہی لفظ ہوتا۔'' زینب نے کہا۔

سعد کیا جواب دیتا وہ تو خود زینب کو بہت پسند کرتا تھا۔دل کی بات اسے بتاتا کہ اس سے پہلے ہی کاشف اور زینب کی محبت سب کے سامنے آ گئی۔

سعد کا دل کہہ رہا تھا شادی کے دن کاشف نے اسے جو کچھ بتایا تھا، وہ زینب کو بتا دے۔شادی ہو رہی تھی لیکن کاشف بہت اداس تھا۔زینب سے بچھڑنے کا اسے بھی دکھ تھا۔کسی دل جلے نے ان کی محبت کے بارے میں کاشف کی ماں کو خبر دے دی تھی۔ماں نے خودکشی کا بہانا بنا کر ایک تاجر کی بیٹی سے شادی کرنے کے لیے مجبور کر دیا تھا۔

وہ تو زندگی بھر کے لیے زینب کا ساتھ چاہتا تھا۔سعد نے سوچا میں اسے سچ بتا دوں گا تو یہ اسے بھولنے کی کوشش نہیں کرے گی۔اسے بھول نہیں پائی تو میری بھی نہیں بن پائے گی۔

ہر انسان کے دل میں اپنی دنیاوی کہانیوں پر توہم پرستی کے ساتھ لگاؤ ہوتا ہے۔ان دنیاوی کہانیوں میں جیتا ہے۔اس لیے اسے پورا یقین تھا کہ ہیرو کی شادی ہو جانے کے

بعد مایوس ہیروئن کسی کی پناہ ڈھونڈتی ہے اسی طرح زینب اب میری پناہ میں آ جائے گی۔

لیکن وہ دیکھ رہا تھا زینب کی آنکھوں میں کاشف کی محبت کے رنگ کا چشمہ چڑھا ہے۔اس کی آنکھیں اتنی کمزور ہیں کہ سچی محبت کرنے پر بھی میں اسے نظر نہیں آ رہا ہوں۔

''محبت تو مردہ لاشوں میں بھی زندگی کے آثار پیدا کر دیتی ہے۔''

''محبت مار بھی دیتی ہے اور زندہ بھی رکھتی ہے۔'' سعد بولا۔

''سعد محبت ان لوگوں کو ملتی ہے، جو قربانی دینے کی ہمت رکھتے ہیں...... سمجھے تم'' زینب نے بھری آنکھوں سے کہا۔''نہیں تم محبت کے بارے میں کچھ نہیں جانتے، تمہیں کچھ نہیں معلوم''

''مجھے سب معلوم ہے......محبت میں......'' اس نے کچھ کہنا چاہا اس سے پہلے وہ بولی۔

''جب تم نے کسی سے پیار کیا ہی نہیں تو تم کیا جانو محبت کیا ہوتی ہے۔ تمہیں کسی سے پیار ہو گا تب میری بات سمجھ میں آئے گی۔''

''مجھے سب معلوم ہے، میری بات تو سنو''

''نہیں محبت کا تحفہ ان لوگوں کے لیے ہوتا ہے، جو محبت کا گلدستہ لیتے وقت یہ نہیں دیکھتے کہ اس میں کانٹے بھی ہیں اور ان کانٹوں سے زخمی بھی ہونا پڑتا ہے۔''

''سنو زینب............'' سعد نے پھر کچھ کہنا چاہا۔

''اوہ آج نہیں......آج میری زندگی میں طوفان آیا ہے۔ پرسوں اس کی شادی ہوئی ہے...... اور آج اس کی سہاگ رات ہے۔ میرا دماغ خراب ہو رہا ہے۔...... میرا دل آج............''اس کی آواز میں درد تھا۔لفظ گلے میں اٹک گئے۔وہ پرس اٹھا کر چل دی۔

''یہ تو میری بات سننے کو تیار ہی نہیں ہے۔ کیسے سمجھاؤں اسے؟'' وہ بیٹھا سوچتا رہا۔

وہ چلی گئی۔ جہاں وہ بیٹھی تھی اس جگہ پر ایک گلابی رومال پڑا تھا۔اس نے اٹھا لیا۔ رومال ہاتھ میں آتے ہی ایک نرم و ملائم احساس سے اسے لگا......زینب کا وجود ہے یہ، اس نے رومال کو چوم کر اپنے گال سے لگا لیا۔

پہلی بار اقرارِ محبت میں گرمیوں کی بارش سی ٹھنڈک ہوتی ہے۔ چاروں طرف مٹی کی سوندھی سی مہک پھیل جاتی ہے۔ یہ رومال تحفہ نہیں تھا۔ یہ محبت کی نشانی نہیں دی گئی تھی۔ پھر بھی زینب سے متعلق پہلی چیز سعد کے ہاتھ آئی تھی۔اس رومال سے اسے زینب کے ہونے کا گرم گرم

احساس ہو رہا تھا۔اس رومال کے ذریعے وہ اس کے اندر اترتی جا رہی تھی۔رومال جیب میں رکھ کر وہ اپنی بائک پر سوار ہو کر اپنے کمرے کی طرف روانہ ہوا۔

اس وقت سڑک پر الگ ہی رنگ تھا۔وہ بازار سے گزر رہا تھا۔دکانداروں کی گرم جوشی اور خریداروں کی بھیڑ تھی۔کاریں، رکشے، اسکوٹروں اور گاڑیوں کا شور تھا۔کچھ لوگ بازار میں صرف گھومنے آتے ہیں۔کالج کے لڑکوں کے جھنڈ ہوتے ہیں، جو ریستوران میں بیٹھ کر یا فٹ پاتھ پر کھڑے ہو کر عورتوں و لڑکیوں کو تاکتے ہیں اور فقرے بازی کر کے اپنا دل بہلاتے ہیں۔

ایسے لوگوں کو کا خریداری سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ان کی وجہ سے بازار میں رونق بڑھ جاتی ہے۔بھیڑ کی وجہ سے راستے تنگ ہو جاتے ہیں۔ٹرافک جام ہو جاتی ہے۔

ہر روز سعد بھی اسی بھیڑ میں ہوتا تھا لیکن آج وہ سیدھے اپنے ہاسٹل کے کمرے میں آ گیا۔

دو

اقرا نے کھڑکی سے باہر دیکھا۔ سامنے کی حویلی کے سامنے دو گاڑیاں آ کر رکیں۔ ایک عورت ہاتھ میں مٹھائی کا ڈبا لیے باہر نکلی۔ دوسری گاڑی سے بھی کچھ لوگ باہر آئے۔ قیمتی ساڑی میں وہ عورت بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ ساتھ میں آئے آدمی کو مٹھائی کا ڈبا پکڑا کر ہاتھ سے اپنے بال ٹھیک کیے۔ سب کے ساتھ آگے بڑھی۔

اقرا نے سوچا جب ہم نے یہ حویلی خریدی تھی تو مجھے بھی بہت خوشی ہوئی تھی۔ میں نے بھی پڑوسیوں کو مٹھائی کھلائی تھی۔ ایک سال سے سامنے والی کوٹھی سونی پڑی تھی۔ ان کے آنے سے رونق بڑھ جائے گی۔

''کریم یہ کوٹھی بک گئی کیا؟'' اس نے خانساماں کو آواز لگا کر پوچھا۔

''ہاں بیگم صاب، سنا ہے خان صاب کا بیرون ملک میں بہت بڑا ابزنس ہے۔''

جاؤ ان لوگوں کو چائے کے لیے بلالاؤ'' اقرا نے حکم دیا۔

سورج کی تیز روشنی آنکھوں پر پڑ رہی تھی۔ اس نے آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر سامنے دیکھا۔ وہ عورت ان کی حویلی ہی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ شاید ہمارے بارے میں معلومات حاصل کر رہی ہے۔ اس نے جلدی سے ڈریسنگ روم میں جا کر آئینے کے سامنے بیٹھ کر میک اپ اور بالوں کو درست کیا۔ عالیہ آئی اقرا سے گلے ملی اور اسے مٹھائی کھلائی۔

آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو پرکھا۔ دونوں نے من ہی من میں سوچا۔

''ہاں یہ تو دوستی کے لائق ہے۔''

''بڑی خوشی ہوئی، کب شفٹ ہو رہی ہیں؟''

''کل ہی...... چلیئے ہماری کوٹھی دیکھئے۔'' وہ اس کے ساتھ چل دی۔

گیٹ پر چونے کا ایک ڈرم رکھا تھا۔ پاس ہی رنگ کے کچھ خالی ڈبے اور برش رکھے تھے۔ باہر برآمدے کی فرش پر چلنے والی مشین کی شور میں ان کی آواز دب رہی تھی۔ اسی لیے انہیں اونچی آواز میں بات کرنی پڑ رہی تھی۔ ویسے انہیں دھیمی آواز میں بات کرنے کی عادت ہے۔ برآمدے کی چمک ان کو پسند نہیں آئی۔ اسی لیے دوبارہ چمکایا جا رہا ہے۔

جودھ پور کے رہنے والے اطہر حسن کی تعلیم مکمل ہوتے ہی اس کی شادی جے پور کے نگینے کے تاجر کی بیٹی سے ہوگئی۔ بیوی کے بھائی کے ساتھ تجارت میں حصہ دار بن کر اطہر حسن اس کے ساتھ دبئی چلا گیا۔ کچھ دنوں کے بعد اس نے اپنا کاروبار الگ کر لیا، جو بہت اچھا چل رہا تھا۔

کاروبار اچھا چلنے لگا تو روپیوں کی برسات اس پر ہونے لگی۔

ایک بیٹا جے پور میں پڑھ رہا ہے اور دو بیٹیاں انجلا اور انیلا کالج میں تعلیم حاصل کر رہی ہیں۔ تجارت اور بیرون ملک آنے جانے کی سہولت کو دیکھتے ہوئے اب بمبئی میں حویلی خرید لی ہے۔

عالیہ جدید خیالات کی تھی۔ اسے خاندان کی بندشیں پسند نہیں تھیں۔ وہ اب یہیں رہے گی۔ اس نے پہلی ملاقات میں ہی سب کچھ بتا دیا۔

اجمیر کے رہنے والے اقبال احمد کا کنیڈا میں کاروبار ہے۔ پہلے اقرا کے پریوار والوں کے ساتھ اجمیر میں رہتی تھی۔ وہ شوہر کے ساتھ کچھ دنوں کے لیے بیرون ملک گھومنے کے لیے گئی، اس وقت اکلوتی بیٹی کو تعلیم کی وجہ سے کنیڈا ساتھ نہیں لے گئی۔ اسے اسکولی تعلیم کے لیے شملہ کے ہاسٹل میں رکھا۔ اسکولی تعلیم کے بعد اب وہ میڈیکل کالج جے پور میں پڑھ رہی ہے۔ اس نے بھی اپنے خاندان والوں کے بارے میں بتایا۔

عالیہ نے دیوار پر ہاتھ پھیر کر دیکھا۔ دیوار کا پینٹ سوکھ گیا ہے۔ پوری بلڈنگ میں نیا رنگ چمک رہا تھا۔ اندر کمروں میں 'وال ٹو وال' کارپیٹ بچھایا جا رہا تھا۔

''آج ڈیکوریشن کا کام پورا ہو جائے گا؟'' ساتھ آئے ٹھیکیدار سے پوچھا۔

''جی بیگم صاب...... آپ کل ہی یہاں رہنے کے لیے آسکتی ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔

امیر ہونے سے...... دونوں کے پاس وقت ہونے سے اور مزاج ملنے سے، دونوں کی دوستی ہوگئی۔ ساتھ گھومنا، خریداری کرنا، ساتھ پارٹیوں میں جانا اور ساتھ بیٹھ کر تاش کھیلنا...... دن کا زیادہ تر وقت ساتھ بیتنے لگا۔

چھٹیاں ہوگئی زینب گھر آئی۔ عالیہ آنٹی سے مل کر خوش ہوئی۔اس کی خوبصورتی کی چمک اس طرح سے روشنی پھیلا رہی تھی جیسے پورا جسم بیش قیمتی نگینے سے جڑا ہوا ہو۔

دو دن بعد کاشف بھی گھر آیا۔اس کی ماں نے اسے ایک خوبصورت گاڑی تحفہ میں دی۔وہ اپنی ماں کے ساتھ اسی گاڑی میں اقرا آنٹی سے ملنے آیا۔

باہر سے گھوم کر زینب آگئی۔ برآمدے میں نئی گاڑی دیکھ کر خوش ہوئی۔

''اوہ پاپا..... یو..... آر..... گریٹ..... کل ہی میں نے گاڑی کی مانگ کی اور آج آ گئی۔ وہ خوش ہوتے ہوئے گاڑی میں جا کر بیٹھ گئی۔ چابی گھمائی اور گاڑی اسٹارٹ ہو کر گیٹ سے باہر نکل گئی۔''

''کبھی دو منٹ پاس بیٹھ کر بات تو کرتے نہیں ہیں اور فرمائش اتنی جلدی پوری کردی..... واہ پاپا۔'' وہ خوشی سے بھری آواز میں زور سے بولی۔

گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز سن کر کاشف تیزی سے باہر آیا۔

''اوہ گاڈ..... گاڑی کوئی چوری کر لے گیا۔ممی باہر آؤ۔آنٹی آپ کا چوکی دار کہاں ہے..... پوچھئے اس سے گاڑی کون لے گیا۔'' کاشف زور سے چیخا۔عالیہ اور اقرا باہر آئیں۔ان کو تعجب ہوا۔

''بیٹا چوکی دار تو کھانا کھانے گیا ہے۔..... پر گاڑی.....؟''

کاشف جلدی سے ان کی گاڑی میں بیٹھ کر گیٹ سے باہر نکلا۔ جب زینب نے دیکھا کوئی میرا پیچھا کر رہا ہے تو اسے مزہ آنے لگا۔وہ آدھے گھنٹے تک گاڑی کو اِدھر اُدھر گھماتی رہی۔ پھر اپنے گھر میں جانے کے بجائے عالیہ آنٹی کے گھر گاڑی دکھانے پہنچ گئی۔ جیسے ہی گاڑی سے باہر نکلی کاشف نے اس کی کلائی پکڑ لی۔اسے گھسیٹتے ہوئے ممی کو بتانے کے لیے اقرا آنٹی کے گھر کی طرف لے چلا۔

''گاڑی چوری کی وہ بھی میری..... ابھی پولیس میں دیتا ہوں۔''

''ارے چھوڑیے..... یہ گاڑی.....''

''میری ہے..... دیکھو ممی چور پکڑا گیا.....'' اس نے ماں سے کہا۔

انہیں دیکھ کر عالیہ اور اقرا کا ہنسی سے برا حال ہوگیا۔

''میں چور پکڑ کر لایا ہوں اور آپ لوگ ہنس رہی ہیں......کمال ہے۔'' وہ حیران ہو کر پوچھا۔

''ارے یہ زینب ہے، اقرا آنٹی کی بیٹی'' عالیہ نے ہنسی روکتے ہوئے بتایا۔

''کیا'' وہ چونکا۔

اس طرح گھسیٹے جانے سے توہین اور غصے سے اس کا چہرا لال ہو گیا۔ ہاتھ اتنی زور سے پکڑے ہوئے تھا کہ درد ہو رہا تھا۔

''بدتمیز......چھوڑو میرا ہاتھ......''

وہ چونک کر اس کا ہاتھ چھوڑتا اس سے پہلے ہی زینب نے اس کے ہاتھ پر زور سے اپنے دانت گڑا دیے۔ ماجرا کیا ہے زینب کو سمجھ میں آ گیا۔ وہ بھاگ کر عالیہ آنٹی کے پیچھے چھپ کر کاشف کو منھ چڑھانے لگی۔

''کون کہتا ہے یہ لڑکی میڈیکل کی اسٹوڈینٹ ہے...... حرکتوں سے تو بچوں سی ہے۔ جب سے گھر آئی ہے ایک منٹ بھی چین سے نہیں بیٹھتی ہے۔'' ہنستے ہوئے عالیہ نے بیٹے کو بتایا۔

''تو آج آیا ہے۔ دو دن میں اس کے بارے میں جان جائے گا۔ میں اس کی شرارتیں دو دن سے دیکھ رہی ہوں۔''

''ہاں......ہاں لگائی بجھائی کریئے......میری برائی کریئے۔''

''یہ چورنی اقرا آنٹی کی بیٹی زینب ہے؟ بہت سنا تھا تمہارے بارے میں ممّا سے۔ تمہیں دیکھتے ہی مجھے خیال کیوں نہیں آیا کہ یہ چورنی میری پڑوسن ہے۔''

''تو کیا آپ کی نزدیک کی نظر کمزور ہے۔ جو مجھے نہیں پہچانا۔'' اس نے شرارت سے پوچھا۔

''واہ، کیسے پہچانتا ممّا نے تو تمہارا یہ روپ بتایا ہی نہیں۔''

''اور آپ کی دادا گیری کی تعریفیں ممّا سے سن چکی ہوں۔''

''اچھا آپ کی جنرل نالج بہت اچھی ہے۔'' کاشف نے مسکرا کر کہا۔

کمرے میں بیٹھ کر باتیں ہوتی رہیں۔ کاشف نے کہا، ممّا نے بتایا تبھی میں سمجھ گیا تھا یہ ہمارے کالج ہی میں ہے۔

''بیٹا یہ آفت کی پڑیا ہے۔اس سے دور ہی رہنا نہیں تو یہ مدھومکھی کی طرح......'' اقرا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہوگئی نہ برائیاں شروع'' زینب نے بات کاٹی۔

''شہرت ہو رہی ہے آپ کی'' مسکراتے ہوئے کچھ طنز بھرے لہجے میں کاشف بولا، سب ہنسنے لگے۔

''اچھا جاؤ جمیلہ کو چائے ناشتہ لانے کے لیے کہہ کر آؤ'' اقرا نے زینب سے کہا۔

''میں عالیہ آنٹی سے باتیں کر رہی ہوں......ان کو بھیج دیجئے نہ یہ فالتو ہی بیٹھے ہیں۔''

وہ مسکراتے ہوئے چائے کے لیے بولنے چلا گیا۔واپس آکر بیٹھا تو زینب بولی''آنٹی کچھ جلنے کی بو آرہی ہے۔'' کاشف سے بولی''تھوڑی جلن ہو رہی ہے نہ......اپنی ممّا سے میرا پیار دیکھ کر۔''

کاشف اسے بڑی پیار بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

سفید لباس میں وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔لمبے گھنے بال کھلے لہرا رہے تھے۔لمبے لمبے ایئر رنگس میں سفید نگینے چمک رہے تھے۔

''سچ میں ممّا اتنی شیطان لڑکی میں نے آج تک نہیں دیکھی۔'' ہنستے ہوئے کاشف نے اسے چڑھانے کے لیے کہا۔

''ذرا اچھی طرح یاد کر کے بتائیے،آپ نے اب تک کل کتنی لڑکیاں دیکھی ہے۔''اس نے مسکراتے ہوئے اس سے سیدھے سوال کیا۔

''اوہ ممّا واقعی یہ تو......'' ہنستے ہوئے کاشف نے اپنا سر پکڑ کر کہا۔

''دیکھا زینب زیادہ دشمنی نبھ نہیں سکے گی۔کیوں نہ ہم دوست بن جائیں۔''

''مجھے کیا فائدہ''اس نے آرام سے سموسہ کھاتے ہوئے پوچھا۔

''دوست کو گاڑی چرانے کی کوئی............''

زینب نے ہنستے ہوئے کہا''یہیں تو غلطی ہوگئی۔کل ہی تو میں نے پاپا سے گاڑی مانگی تھی اور انہوں نے کہا تھا تمہیں جلدی ہی مل جائے گی......اور میں نے سوچا کہ گاڑی آگئی۔''

''تمہاری گاڑی آنے تک تم میرے ساتھ کہیں جانا ہو تو چل سکتی ہو۔''

''لالچ دے رہے ہو......ممی مجھے آج ہی گاڑی چاہئے ......اسی وقت۔''

''ارے میرا یہ مطلب نہیں تھا۔تم جب چاہو میری گاڑی استعمال میں لے سکتی ہو۔''

ڈرائنگ روم میں رکھے فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ ان کے گھر کوئی آیا ہے، سن کر ماں بیٹا روانہ ہوگئے۔ کچھ ہی دنوں میں ان کی دوستی گہری ہوگئی۔

تین

صبح چڑیوں کے چہچہانے سے اس کی نیند کھلی۔زینب نے کھڑکی سے پردہ ہٹایا تو دور آسمان میں پرندے اڑتے دکھائی دیئے۔کھڑکی کے باہر کا خوبصورت منظر دیکھ کر اس کا من خوشی اور تازگی سے بھر گیا۔بارش رک چکی تھی۔چاروں طرف پیڑ پودھے اور پھول دھلے دھلے نظر آ رہے تھے۔

چنچل مزاج کی زینب پڑھائی میں ہوشیار، خودآرا اور اچھی لڑکی تھی۔کالج میں سب کا کہنا تھا کہ شعبے کی ساری کارکردگی میں شامل رہنے والی لڑکی دوسری لڑکیوں کی طرح کسی لڑکے کو نہ لفت دیتی ہے نہ لیتی ہے۔اعلیٰ خیالات رکھنے والی لڑکی زینب امیر ہونے کے ساتھ غریبوں سے بھی دوستی رکھتی تھی۔کیچڑ اور کنول دونوں سے محبت کرنے والی تھی۔

تتلی کے جیسے ضدی ہو کر اڑنے والی چنچل لڑکی، بہت ہی خوش دل اور نیک لڑکی میں شمار کی جاتی تھی۔سنجیدہ رہنا تو جیسے اس نے سیکھا ہی نہیں تھا۔سب سے مسکرا کر بولتی، اس کے مقدس خیالات کی سب عزت کیا کرتے۔کھیل کود، پکنک، ڈراما سب میں حصہ لیتی، جو کام خود نہیں کر سکتی اس کے لیے دوسروں کی حوصلہ افزائی کرتی۔کالج کے بدمعاش لڑکے بھی اس کے مزاج کی وجہ سے اس سے اچھا برتاؤ کرتے۔

کالج کی دوسری لڑکیاں میک اپ کر کے آتیں لیکن اس کا میک اپ بناوٹی نہیں تھا، کیوں کہ اس کے دل میں سب کے لیے عزت ہوتی تھی۔لڑکے اس کے اچھے خیالات رکھنے کی وجہ سے اس کی عزت کیا کرتے۔وہ کہتے ہیں کہ وہی لڑکیاں زیادہ تکلیف اٹھاتی ہیں جو اپنے آپ کو زیادہ شو کرتی ہیں۔

زینت کے خیالات سے سبھی واقف تھے۔اس کا کہنا تھا کہ لڑکیوں کا میک اپ تو ان

کے مقدس خیالات ہوتے ہیں۔لڑکی کا کردار ہی اس کا زیور ہوتا ہے۔وہ اچھی کردار کی تھی۔

لڑکیوں کی ایک نفسیات ہوتی ہے کہ ہم اپنے آپ کو لڑکوں کے سامنے بہتر ثابت کریں، تکبر دیکھائیں۔بس ان لڑکیوں کو پریشان کرنے کے لیے من چلے لڑکے بھی پرجوش رہتے ہیں، جو سب کو اپنا سمجھتی ہیں ان کو کوئی پریشان نہیں کرتا۔دوستی کا اظہار کر کے ہر کام میں ان کی مدد کرتے ہیں۔

کاشف اعلیٰ خیالات رکھنے والا سمجھدار لڑکا تھا۔زینب سے تعلقات بننے پر اسے خوشی ہوئی۔کالج کی سب سے خوبصورت لڑکی ہے، یہ تو جانتا تھا لیکن متعارف نہیں تھا۔

اب تعارف اور دوستی ہو جانے سے اسے بہت خوشی ہو رہی تھی۔

زینب نے دوسری کھڑکی کے پردے کو ہٹایا۔دیکھا ایک امرود کا پیڑ گھنا ہو کر ایک طرف جھک گیا ہے۔ہوا کے ساتھ جھومتی ٹہنیاں بہت خوبصورت لگتی ہیں۔اس کے سائے سامنے کی دیوار پر پڑ رہے تھے۔

زینب کا گھر معمولی نہیں تھا۔کاشف کی شاندار حویلی کے جیسی ہی سنگ مرمر کے پتھروں سے جڑی ہوئی اور قیمتی چیزوں سے سجا ہوا تھا۔کاشف کے لمبے چوڑے چھتوں والے گھر کے کچھ کمرے اس کے سامنے دِکھتے ہیں۔

اس کے کمرے کے سامنے والا کمرہ کاشف نے اپنے لیے پسند کیا۔دونوں کمروں کے بیچ بہت دوری ہے، پھر بھی بند جالی کے دروازے کھلتے ہی کمرے کے اندر کا کچھ حصہ نظر آتا ہے۔یہ کمرا کھلا اور ہوادار تھا۔لکڑی کے موٹے موٹے بھاری دروازوں کے بیچ خوبصورت شیشے لگے ہیں۔بڑی بڑی کھڑکیوں سے ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکے آتے رہتے ہیں۔کمرے کے سامنے خوبصورت برآمدہ گملوں میں لگے لتاؤں سے سجا ہے۔رنگ برنگے پھول کھلے تھے۔

کاشف سے ملنے کے پہلے اس گھر کی خوبصورتی نے کبھی زینب کو اپنی طرف متوجہ نہیں کیا تھا۔اب وہ گھر خوبصورت لگنے لگا۔اس کا دل کہتا تھا کہ ہر وقت وہ اسے دیکھتی رہے۔اسے اس کوٹھی سے اور اس کوٹھی میں رہنے والوں سے لگاؤ ہو گیا۔دونوں کے اِدھر اُدھر گھومتے ہوئے چھٹیوں کے دن بیت رہے تھے۔

بستر پر بیٹھ کر اس نے چائے پی اور ویسے ہی بیٹھے اس نے اندازہ کیا کہ آج فضا بند بند

سی ہے۔ بادلوں نے سورج کو نظر میں قید کر رکھا ہے۔ کھڑکی کے شیشے سے باہر دیکھا تو پورے شہر پر کالے بادل چھائے ہوئے نظر آئے۔ اسے ایسا موسم بہت اچھا لگتا ہے۔

بادل ہو، پھر چھٹی کا دن، تب تو وہ سارا دن بستر میں گھس کر کوئی ناول پڑھتی یا باغیچے میں بیٹھ کر مونگ پھلیاں کھاتی اور نوکروں کے بچوں کو بھی مونگ پھلی کھانے کے لیے دیتی۔ کالج میں ایسا موسم ہوتا تو سہیلیوں کے ساتھ پکنک پر جاتی۔

کاشف کے روپ میں اسے ایک اچھا دوست مل گیا۔ وہ اسے دل ہی دل میں پسند کرنے لگی۔ اس نے سوچا اس سے ملنے جانا چاہیے۔ وہ نہانے چل دی۔

اب روز بہت دیر تک ساتھ گھومتے۔ صحن میں بیٹھ کر کالج کی باتیں کرتے، جب آسمان میں تارے ٹمٹمانے لگتے، چاندنی پھولوں پر رقص کرنے لگتی تب تک ساتھ رہتے۔

جمیلہ نے بتایا گاؤں سے الفت خالا آئی ہیں۔ جب بھی زینب گھر آتی ہے خالا بھی آ جاتی ہیں۔

کچھ دنوں میں ہی کاشف اپنا لگنے لگا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اپنے دل کی بات اسے بتا دے۔ گھر میں تو اس سے بات کرنے والا بھی تو کوئی نہیں ہے۔ اسے لگ رہا تھا کہ کاشف میری پرابلم کو سمجھے گا۔ کچھ حل نکالے گا۔

پاپا یہاں ہوتے ہیں تب بھی مجھ سے بات کرنے کے لیے ان کے پاس وقت نہیں ہوتا اور ماں کے پاس تو میرے لیے بالکل ہی وقت نہیں۔ اتنی جلدی الفت خالا کے بیٹے ریحان کے ساتھ میری شادی کر دینا چاہتی ہیں۔ ماں سوچتی ہے اپنی بہن کے بیٹے کے ساتھ شادی نہیں کی تو اقبال اپنی بڑی بہن شافعہ کے بیٹے ارشد سے اس کی شادی طے کر دے گیں۔

ریحان اور ارشد دونوں ہی انجینئر ہیں۔ زینب کو معلوم ہے کہ پاپا کا جھکاؤ اپنی بہن کی طرف ہے اور ماں کا اپنی بہن کی طرف۔

وہ سوچتی یہ اور بات ہے کہ ریحان یا ارشد دونوں ہی وفادار شوہر ثابت ہوں گے۔ شادی خاندان ہی میں کرنی پڑے گی۔ کر لونگی، لیکن اتنی جلدی کیا ہے؟ پہلے میں اپنی تعلیم تو مکمل کر لوں۔

تعجب ہے میرے ماں باپ اتنے جدید خیالات کے ہیں لیکن مجھ سے پوچھا بھی نہیں

کہ میں کیا چاہتی ہوں۔ خالا جب بھی آتی ہے کچھ دن رہتی ہے اور ہر روز بہن کو کسی نہ کسی بہانے یاد دلاتی رہتی ہے کہ زینب اب میری ہے۔ شرارت کرنے پر یا کوئی بات نہ ماننے پر اقرا ڈانٹی تو الفت اس کی طرف ہوتے ہوئے کہتی۔ ''ارے وقت آنے پر سب سمجھ جائے گی۔ اب یہ میری بیٹی ہے، اسے کچھ مت کہو۔ اسے کام کرنے کی ضرورت ہی کہاں ہے، یہی سسرال اور یہی مائکہ۔ ریحان کو بھی تم اپنے پاس ہی رکھ لینا۔''

''جب مجھے یہیں رہنا ہے تو میں شادی ہی کیوں کروں؟'' وہ ماں کو ہنستے ہوئے کہتی۔ الفت کے کچھ اس طرح کہنے پر وہ من ہی من چڑھ جاتی۔

''کس قدر چالاک ہے خالا۔ جب بھی دعا دینے کے لیے میرے سر پر ہاتھ رکھتی ہے تو ریحان کا نام میرے نام سے جوڑ دیتی ہے۔ ان کی نظر تو لتی ہے کہ میرا مستقبل کیسا ہوگا۔ اس جائداد کی اکیلی وارث............''

اسے لگتا مومانی، خالا......بوا، چاچی کوئی مجھ سے سچی محبت نہیں کرتا۔ سب کی نظریں میری جائداد پر ہے۔

صرف بلقیس خالا ہی ہے جو سچے دل سے بات کرتی ہے۔ سبھی چاہتی ہیں کہ میں پوری طرح سے اسلامی طور طریقے سے رہوں، کیوں کہ ان میں سے ہی کسی کے گھر میری شادی ہوگی۔ کسی کے گھر شادی ہو یا نہ ہو لیکن سب کو برا لگتا ہے کہ میں کبھی کبھی جینس کیوں پہنتی ہوں۔ مجھے بھی ان بیٹیوں کی طرح سر پر دوپٹا رکھنا چاہئے۔ بال کھلے رکھنا اسلام میں منع ہے۔ مجھے اپنے بالوں کی خوبصورتی پر کسی کی نظر نہیں پڑنے دینی چاہیے۔ ہر وقت کوئی نہ کوئی جس کے دل میں جو آیا کہہ دیتی۔

ان کو تو ممی کا ساڑی پہننا بھی پسند نہیں۔ ممی کو تو دبی زبان میں کہتی ہیں، کیوں کہ وہ جانتی ہیں ممی ان کو لفٹ نہیں دیتی ہیں۔

اب یہ تو نہیں کر سکتی ہوں کہ جب کوئی رشتے دار گھر آئے تو میں فوراً کپڑے بدل کر......، سر ڈھک کر بیٹھ جاؤں۔ ترس آتا ہے ہمارے خاندان کی لڑکیوں پر۔ سب کا دل چاہتا ہے کہ آج کل کی لڑکیوں کی طرح کپڑے پہنے، فیشن سے رہے۔ وہ بھی چاہتی ہے کالج کی لڑکیوں کی طرح کھلی ہوا میں سانس لے۔ کئی گھروں میں تو لڑکیوں کو پہننے اوڑھنے کی آزادی مل

گئی ہے۔

میں سب کچھ کر سکتی ہوں لیکن ڈھونگ نہیں کر سکتی ۔ان کو سوچنا چاہیے انسان اپنی حیثیت کے مطابق رہنا چاہتا ہے۔زمانے کے ساتھ چلنا پڑتا ہے۔پاپا بھی کم نہیں، بیرون ملک میں رہتے ہیں لیکن خیالات سے پیچھے ہی ہیں۔

اس زمانے میں جب عورتیں مردوں کے مقابلے میں برابر کھڑی ہیں۔پھر بھی اپنی گھریلو ذمے داریاں پوری اٹھا رہی ہیں۔گھر کی تمام ذمے داریاں آج بھی ان کے کندھے پر ہی ہیں۔نوکری کرتی ہیں پھر بھی اپنا گھر بہتر طریقے سے چلا رہی ہیں۔

دنیا میں کروڑوں عورتیں ہیں، جو پڑھی لکھی ہیں پھر بھی اپنا گھر اچھے سے چلا رہی ہیں۔بچوں کی پرورش کرتی ہیں۔میں بھی وقت آنے پہ سب کچھ کرلوں گی۔مجھے نہیں کرنی ان کے بیٹوں سے شادی۔

وہ مسلم گھرانوں اور اپنے رشتے داروں کے گھروں میں دیکھتی آئی ہے شوہر چاہتے ہیں اسکولوں اور دفتروں میں کام کرنے پر یا افسر ہونے کے باوجود ان کے پاس وقت کی کمی ہونے پر بھی گھر کا کام بیوی خود کرے۔شوہر کے سارے کام خود کرے۔ان کو کھانا پکا کر دے۔ان کے جوتے پالش کر کے دے۔بیوی ان کے کپڑے خود پریس کرے۔

چاہے بیوی کے اچھے عہدے پہ ہونے سے،خود اس کا کام زیادہ ہونے پر وقت کم ملنے پر بھی کوئی شوہر ان کے گھریلو کام میں مدد نہیں کرتے ہیں۔شوہر کی یہ بھی سوچ ہوتی ہے کہ عورت پیر کی جوتی ہوتی ہے ۔بات بات میں طلاق دینے کی دھمکی بھی دیتے رہتے ہیں۔عورت کے جذبات کی کوئی قدر نہیں ہوتی۔

اکثر مسلم مردوں کی سب سے بری سوچ کی شکار ہوتی ہے بیوی۔زینب کا دل چاہتا کہ صاف کہہ دے مجھے نہیں کرنی ہے خاندان میں شادی۔آپ لوگ خوش فہمی میں نہ رہیں۔مجھے ان باتوں کا شوق نہیں کہ اندر کچھ اور باہر کچھ،لیکن وہ کسی سے کچھ کہہ نہیں پاتی۔اپنی ماں سے بھی نہیں۔

وہ عشق باز لڑکی نہیں تھی، جس دن دونوں بہنوں نے اس کی شادی ریحان سے طے کی اس نے سوچا دیکھا جائے گا۔ماں باپ کا پیار نہ ملنے کی وجہ سے وہ کچھ ضدی قسم کی ہوگئی تھی، پھر بھی چپ رہی۔اس نے سوچا ہو سکتا ہے میرے دل میں ریحان کے لیے محبت پیدا ہو جائے۔

ابھی تو مجھے اپنی پڑھائی میں دل لگانا ہے۔

اسے یاد آیا کہ ایک دن ریحان اس کے ہاسٹل میں آیا تھا۔زینب نے اسے نظر اٹھا کر دیکھا،اس کی مسکان بڑی پیاری تھی۔نظریں نیچی کیےاس نے پوچھا''میرے ساتھ باہر چلو گی؟''

''نہیں ....ابھی نہیں۔''

''کیوں؟''

''اسکینڈل بن جائے گا۔''اس نے بہانا بنایا۔

وہ مان گیا۔اس کی آنکھوں سے لگ رہا تھا کہ میں یہی تو چاہتی ہوں کہ تمہارا نام میرے نام کے ساتھ جُڑ جائے۔وہ بولا''اچھا ٹھیک ہے..........میں چلتا ہوں۔''وہ جانے کے لیے کھڑا ہو گیا۔اسے جاتا دیکھ کر زینب کو ہنسی آئی۔

''بے وقوف......تھوڑی سی ضد کر کے لے جا سکتا تھا۔میں نے تو یونہی بہانا بنایا تھا...... ڈبو......بزدل بھی۔''وہ ہنستی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی۔

''ہر لڑکی چاہتی ہے کہ مجھے چاہنے والا میرے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت بتائے۔ میرے نخرے اٹھائے۔''وہ پلنگ پر لیٹی اپنی سہیلی مینا کو بتاتے ہوئے ہنس رہی تھی۔

ریحان جانتا تھا اس لڑکی کو بس میں کرنا آسان کام نہیں ہے۔دھیرے دھیرے ہی یہ میری طرف متوجہ ہو گی،شادی تو میرے ساتھ ہی ہو گی۔اسی لیے وہ اپنے آپ کو زینب کے سامنے بہت ہی مہذب اور سمجھدار ثابت کرنا چاہتا تھا۔

☆☆
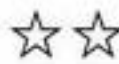
چار

اقرا کے گھر پارٹی چل رہی تھی۔ پریشان ہو کر 'نیلی' اندر آئی۔ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی ''تمہارا گھر تلاش کرنے میں بہت وقت لگ گیا۔''

''کسی کو کوئی جانتا ہی نہیں ہے تو گھر کیسے بتائیں گے۔''

''پہلے کسی محلے میں گھستے ہی نام بتانے پر دس لوگ گھر تک پہنچانے آجاتے تھے۔'' 'رما' نے کہا۔

''آج کل تو آدمی نام سے نہیں سیکٹر، بلاک اور گھر کے نمبر سے پہچانا جاتا ہے۔'' 'کویتا' مسکراتے ہوئے بولی۔

''اس کالونی میں سب کو پریشانی ہوئی۔ یہاں تو نمبر بھی ڈھنگ سے نہیں لگے ہیں، کوئی کسی کو نہیں جانتا۔ یہ شاندار کالونی ہے۔ یہاں تو ہر کوئی پڑوسی کی حیثیت دیکھ کر ہی دوستی کرتا ہے۔''

''ان جدید کالونیوں میں کوئی کسی سے ملتا جلتا نہیں۔ اس لیے کوئی کسی کا گھر نہیں بتا سکتا، کیوں کہ وہ ایک دوسرے سے ملتے نہیں اس لیے کوئی کسی کو جانتا نہیں۔''

''ہاں پہلے پڑوسیوں میں ایک رشتہ رکھا جاتا تھا۔ کسی کے گھر کوئی خوشی ہو یا غم، سب شامل ہوتے تھے۔'' 'انیکا' نے کہا۔

''یہاں تک کہ گھر میں کچھ پکتا تو پڑوسی ایک دوسرے کے گھر ضرور بھیجتے۔ اب کسی کو کچھ بھیجیں تو وہ کچھ اور ہی سمجھیں گے۔'' شاہین نے کہا۔

پہلے لوگ سوچتے تھے کہ پڑوسی کے گھر کچھ بھیجنے سے پیار بڑھتا ہے۔ وقت آنے پہ پڑوسی ہی کام آئے گا۔'' رما بولی۔

''آج کل کس کے پاس وقت ہے۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب عورتوں کے پاس وقت تھا۔ گھریلو کام کے علاوہ کوئی کام نہیں تھا۔'' اقرا اپنی قیمتی ساڑی کا پلّو ٹھیک کرتے ہوئے بولی۔

''جب کوئی کالونی میں آ کر رہتا ہے تو سوچتا ہے ہم سب سُپر ہیں۔ اپنا اسٹیٹس بنائے رکھنے کے لیے کسی سے ملنا جلنا پسند نہیں کرتے۔'' انیکا نے کہا ''سب سے دوری بنائے رکھتے ہیں۔

''ہر ایک کے دل میں ایک مقابلہ ہوتا ہے۔ اس لیے لوگ ایک دوسرے کے دل سے دل نہیں ملاتے۔ اب تو مہمان بھی برے لگتے ہیں۔ سوچتے ہیں ان پر اپنا پیسہ کیوں خرچ کریں؟''

''اور کئی لوگ دکھاوے کے لیے مہمانوں پر زیادہ خرچ کر کے رعب جمانا چاہتے ہیں۔ اپنے رشتے داروں پر خرچ نہیں کرتے۔''

''میم صاب اب مہنگائی بھی تو بڑھ گئی ہے۔'' جمیلہ نے کہا تو سب کو ہنسی آ گئی۔ چائے دیتے ہوئے جمیلہ نے کہا ''امیر لوگ تو اپنے رشتے داروں سے بھی تعلق نہیں رکھتے۔''

''تم اندر جاؤ......'' اقرا ناراضگی ظاہر کرتے ہوئے چیخی۔ نوکرانی کا بیچ میں بولنا اسے اچھا نہیں لگا۔

''اب لوگ اپنے ہی میں مگن رہتے ہیں۔ زیادہ تر بازار کی چیزوں پر ہی انحصار رہتے ہیں۔''

''مہمانوں کو کیا کہیں......اب تو ماں باپ بھی پرانے اور بوجھ لگنے لگے ہیں۔ کسی کے سامنے لانے پر بھی شرم محسوس کرتے ہیں۔''

''ہم نے تو کئی لوگوں کو ان کے ساتھ نوکروں کی طرح برتاؤ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔'' سویتا نے کامنی کی طرف دیکھتے ہوئے طنز بھرے لہجے میں کہا۔

''میں تو مانتی ہوں بزرگ گھر میں ہوں تو بچے بھی قابو میں رہتے ہیں۔''

''ارے رہنے بھی دو آج کل کے بچے ماں باپ کی ہی نہیں سنتے تو بڑے بوڑھوں کی کب سنتے ہیں۔''

''مجھے تو ذرا بھی پسند نہیں بزرگوں کی جی حضوری میں لگے رہنا۔ میں نے تو اقبال سے کہہ دیا چاہے آپ ان پر ہزاروں روپے خرچ کرو...... مجھے تو ان سے دور ہی رکھو۔'' اقرا نے کہا۔

سب ان کی جذبات کو سمجھتے ہیں۔ ان کی تمام اندرونی ہاؤ بھاؤ کو نہار رہی تھیں۔

''میری ساس تو کہتی ہے بزرگوں کے تجربے ایک اسکولی تعلیم جیسے ہوتے ہیں۔''

''ہاں تمہاری ساس اور تم سمجھدار ہو۔ ہر کوئی تو اتنا سمجھدار نہیں''

''لیکن ہم یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ ہم اپنے بڑے بوڑھوں کے ساتھ جو کر رہے ہیں...... کیا ہمارے بچے بھی ہم سے کچھ نہیں سیکھ رہے ہیں۔ کیا وہ ایسا برتاؤ ہمارے ساتھ نہیں کریں گے؟''

''ارے چھوڑو بھی .... یہ کیا ہم آج مڈل کلاس باتیں لے بیٹھے ہیں۔'' عالیہ نے کہا۔ سب مسکراتی ہوئی ناشتہ کرنے لگیں۔

''میرے صاحب بتا رہے تھے...... مسٹر 'دینیش' اپنی پی۔ اے۔ مِس روزی کو ہر ٹور میں اپنے ساتھ لے جاتے تھے.......... اب ان بن ہوگئی ہے۔ اس نے ان پر کیس درج کرا دیا ہے۔'' 'ایرا' نے راز کی بات بتائی۔

''کیا؟.......... ہاں یہ تو ہونا ہی چاہیے۔ اب عورت پہلے سے زیادہ سمجھدار اور آزاد ہوگئی ہے، اس لیے بھولی بھی نہیں رہی۔''

''مٹھی بھر عورتیں آزاد ہیں۔ ان میں سے ایک تم ہو۔'' کویتا کے اس طرح کہنے پر سب ہنسنے لگیں۔

''کیوں بھاگتا ہے دینیش اپنی خوبصورت بیوی کو چھوڑ کر دوسری کے پیچھے؟''

''اب تو 'love in Relationship' یعنی بغیر شادی کے مرد اور عورت ایک ساتھ رہتے ہوئے زندگی گزارنے کا چلن ہوگیا ہے۔'' رما بولی۔

''اب تو جس کا دل کرے ساتھ رہیں گے...... پھر کیا ہوگی شادی؟''

''کسی وجہ سے مرد اور عورت یا لڑکے لڑکیاں سماجی طور پر سات پھیرے نہیں لے پانے والے من کے سات پھیروں سے بندھے رہتے ہیں، وہ کیا کریں؟ لیکن ایک طرح سے دیکھا جائے تو یقیناً ہی شادی کا اصول مرد اور عورت کے رشتے کو سماج میں جسمانی بھوک کی غلامی سے اوپر اٹھاتا ہے۔''

''ہاں شادی کی 'Responsibility' سے زندگی گزارنے کی سطح اوپر اٹھتی ہے۔'' شاہین نے کہا ''میں تو کہتی ہوں ایسے رشتوں کو اہمیت نہیں ملنی چاہئے، جو سماج میں الجھنیں پیدا کرتی ہیں۔''

''ہاں......اس سے تو کھلی چھوٹ مل جائے گی۔''

''کچھ شادیاں قرض کی طرح نبھائی جاتی ہیں۔شوہر بیوی میں نہیں بننے پر بھی ساتھ رہنے کو مجبور ہوتے ہیں۔ پھر تو بیوی کے وجود پر سوالیہ نشان لگ جائے گا...... کیا ہوگا بیوی کا وجود......؟''

''کہیں شوہر تو کہیں بیوی محبت کی تلاش میں بھٹکتے رہتے ہیں۔''

''اب بحث ختم کریں، وقت دیکھو کیا ہو گیا۔''ایک نے کہا تو سب کو گھر کی یاد آ گئی۔

شام کا وقت ہو گیا۔سب اپنی اپنی گاڑیوں میں روانہ ہو گئیں۔اقرا کی کوٹھی میں سناٹا چھا گیا۔اکیلی بیٹھی اقرا کو گھر میں چھائی خاموشی بری لگ رہی تھی۔

وہ بیٹھی سوچ رہی تھی دن کا بڑھاپا شام ہوتی ہے۔اسی طرح زندگی کی شام بڑھاپا ہوتا ہے۔اسے اپنی زندگی کی شام بڑھاپا کھلنے لگا۔بڑھاپا اسے ڈرا رہا تھا۔شام گہری ہونے لگی۔

ان کی اپنی زندگی کی شام اترنے لگی۔یہ شام عورت ہو یا مرد سب کی زندگی میں آتی ہے۔شام کے وقت ایسا کیوں لگنے لگتا ہے کہ کہیں سے دھواں اٹھ کر آب و ہوا کو سیاہ کر رہا ہے۔ جب کہ ہر گھر میں گیس اور بجلی برقی چولہے ہیں۔پھر بھی شام کی فضا میلی میلی سی ہو جاتی ہے۔

عالیہ بیٹھی سوچ رہی تھی کیسا ہے یہ زندگی کا سفر۔بچپن صبح کی طرح صاف ہوتا ہے۔ زندگی کی دوپہر جوانی گرم کڑکڑاتی دھوپ کی طرح چکا چوندھ کر دینے والی ہوتی ہے۔

روشن کر دینے والی جوانی ہمیشہ تروتازہ نہیں کر سکتی اور جوانی کا پھول مرجھا جاتا ہے۔ ایک وقت ایسا آتا ہے جب خوشبو بھی اُڑ جاتی ہے۔

قدرت کا اصول ہے جب بوڑھاپا آنے لگتا ہے تب حالت سوکھے پھول کی طرح ہو جاتی ہے۔آنکھوں کی روشنی کم ہو جاتی ہے۔بال سفید ہو جاتے ہیں۔خوشبو کی طرح زندگی کی خواہشیں بھی ختم ہونے لگتی ہیں۔ہم شوہر بیوی دور رہ کر کیا حاصل کر لیتے ہیں؟ سچ ہے شوہر صاحب پیسوں کے پیچھے بھاگتے ہیں۔ بیوی عیش و آرام کی زندگی جی کر بھی کیا پا لیتی ہے۔اپنے آرام اور دکھاوے کے لیے بچوں کو بھی دور کر دیتی ہیں۔

آج کی بحث اس کے دماغ پر ہتھوڑے کی طرح لگ رہی تھی۔ساس سسر گاؤں میں دوسروں کے سہارے جی رہے ہیں۔انہیں چاہے روپیوں پیسوں کی کمی نہ ہوتی ہو لیکن وہ

اپنی اولاد کے پیار سے محروم ہیں۔ کیا ہمارے ساتھ ایسا نہیں ہوگا؟ ایک سوال اس کے دل میں گردش کر گیا۔

ہمارے بچے ہاسٹل میں رہ کر بڑے ہوئے ہیں۔ ان کے دل میں ماں باپ کے لیے کوئی لگاؤ نہیں رہتا۔ وہ صرف اپنی ضرورتوں کو پوری کرنے کی خودغرضی سے گھر والوں سے تعلق رکھتے ہیں۔

شوہر بیوی کے رشتے میں ایک دکھاوا آ سکتا ہے...... ایک دوری ہو جاتی ہے تبھی بچے بگڑتے جا رہے ہیں۔ اسے اپنا بچپن یاد آیا۔ دادی، چاچا، بوا سبھی ساتھ رہتے تھے۔ ان کی جیسے جیسے شادیاں ہوئی خاندان بڑھتا گیا۔ ایک ہی رسوئی میں بیس لوگوں کا ایک ساتھ کھانا پکتا۔ بڑے خاندان میں سکھ دکھ مل کر اٹھائے جاتے ہیں۔

چاچی کی ڈیلوری میں ماں خدمت کرتی۔ ماں کو بخار میں چاچی سنبھالتی۔ کسی طرح کا کوئی امتیاز نہیں ہوتا تھا۔ خاندان کے بچوں کی دیکھ بھال ایک ہی طرح سے ہوتی ہے۔ کام پر جانے والے مرد حضرات دادی سے وداع لیتے۔ کبھی کوئی دقت آ بھی جاتی تو دادی کا فیصلہ ہی ماننا ہوتا۔ اب تو سب اپنا اپنا سکھ دکھ سہو۔ غیروں کے سہارے جیو۔ نوکروں پر انحصار رہنا پڑتا ہے۔

بیٹے کی امید بھی اب تو جھوٹی ہو گئی ہے۔ پہلے تھا کہ بیٹیوں کا ساتھ تو زندگی بھر کا نہیں ہوتا ہے۔ پال پوس کر جوان ہوتے ہی دوسروں کے حوالے کر دینا ہوتا ہے۔ بیٹا تو ساتھ رہے گا۔ اب بیٹا شادی ہوتے ہی خاندان والوں سے دور رہنے کی سوچتا ہے۔ بیٹیاں پھر بھی ماں باپ کی ہمدرد ہوتی ہیں۔ بیٹوں کو تو احساس ہی نہیں ہوتا۔

اب وقت کیسے گزارا جائے ایک مسئلہ ہے۔ ہاسٹل میں رہ کر بچے کب بڑے ہو جاتے ہیں معلوم ہی نہیں ہوتا۔ آج کل ہر اعلیٰ خاندان ظاہری طور پر خوش نظر آتا ہے لیکن اندر کتنی تشدد اور اذیت بھری زندگی ہے۔ کوئی نہیں جانتا۔

شوہر کے لیے بیوی صرف ایک شو پیس ہے۔ عورت بھر پیٹ کھانا نہیں کھا سکتی، فیگر بگڑ جائے گا۔ بچے کو دودھ نہیں پلا سکتی...... فیگر بگڑنے کا ڈر...... رات دن فیگر بنائے رکھنے کی فکر انہیں چین سے جینے نہیں دیتی۔ شوہر کے ساتھ پارٹیوں میں جانا پڑتا ہے جہاں اس کی خوبصورتی کو سرعام گھورتے لوگ تعریف کرتے ہیں۔

کیا اسی کا نام جدیدیت ہے۔ ہمارے دل میں بچوں کے لیے اہمیت نہیں اور اولاد کے دل میں بھی جب کوئی لگاؤ نہیں، پھر یہ ہمارے ساتھ ایسا ہی تو برتاؤ کریں گے۔ وہ گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

پانچ

سعد بیٹھا تھا۔ہوا تیز چلنے لگی۔کھڑکی کا پردہ ہلنے لگا،کھڑکی کے باہر بارش ہو رہی تھی۔اسے ایسا لگا اچانک کھڑکی کی سلاخیں کھل گئی ہیں اور بارش کی بوندوں کے ساتھ زینب اندر آ گئی ہے۔

زینب کے خیالوں کو لے کر وہ خیالی دنیا میں ہر گلی،ہر موڑ پر گھوم آتا تھا۔وہ پھر تصور میں آ ہی گیا۔اس کا قلم کاغذ پر چل رہا تھا۔

زینی..... زینی تم میری جان ہو.....میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔وہ بیٹھا لکھتا رہا۔ڈائری کے اوراق زینب کے نام سے رنگ گئے۔

''سعد.....سعد کہتے ہوئے زینب نے دروازے پر دستک دی۔

میٹھی آواز کانوں میں پڑتے ہی وہ چونک گیا۔اس نے جلدی سے ڈائری ریک میں ڈال دی۔''آؤ زینب'' وہ خوش ہوکر اس کے قریب آ گیا۔

وہ خاموشی سے اندر آ کر پلنگ پر بیٹھ گئی۔وہ اداس تھی۔کمرے کی ہوا جذباتی ہوگئی۔

''تو وہ اب دبئ چلا گیا؟'' ایسا محسوس ہوا جیسے دور سے کوئی ڈوبتی آواز آ رہی ہے۔

''ہاں اب پڑھنے سے کوئی فائدہ نہیں .....اسے اپنے باپ کا کاروبار سنبھالنا ہے۔اس لیے دبئ جانا پڑا۔''

وہ چپ چاپ بیٹھی تھی۔سعد کو تعجب ہو رہا تھا۔اسے کیسے معلوم ہوگیا کہ وہ دبئ جانے سے پہلے مجھ سے ملا تھا۔ایک دوست کو ریلوے اسٹیشن چھوڑنے گیا تھا اچانک اسے کاشف نظر آ گیا اور اس نے آواز لگائی تھی۔

''واہ میری قسمت جو تم سے ملنا ہو گیا۔سارے دوست کیسے ہیں؟'' وہ خوش ہوکر پوچھا۔

وہ نیلے سوٹ میں بہت خوبصورت لگ رہا تھا۔ کندھے پر کالا بیگ تھا۔ خوبصورت قیمتی سوٹ سے سجی اس کی بیوی غزالہ اس کے ساتھ تھی۔ ان کو ساتھ دیکھ کر سعد کے دل میں خیال آیا اگر اس کی جگہ زینب ہوتی تو یہ جوڑی کسی فلم کے ہیرو ہیروئن کے جیسے لگتی۔ غزالہ کا چھوٹا قد کاشف کے ساتھ تو کہیں سے بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ ساتھ میں تھی سفید رنگ میں بھاری بھرکم اس کی ماں عالیہ۔

اس نے بتایا دبئ جانے سے پہلے اپنے خاندان کے ساتھ نانی نانا سے ملنے آیا تھا۔ اس کی دونوں بہنیں بھی ساتھ تھیں۔ دونوں سب سے الگ ہٹ کر کچھ باتیں کرنے لگے۔

''وہ کیسی ہے؟'' آخر کاشف نے پوچھ ہی لیا۔ ''کیا حال ہے اس کا؟''

سعد نے سوچا بتا دوں کہ وہ دیوانی سی پاگل بنی گھوم رہی ہے۔ تو شاید یہ بھی اسے بھول نہیں پائے گا۔ اس کے دل میں اس کے لیے فکر پیدا ہو جائے گی۔ اس لیے وہ بات بدلتے ہوئے بولا ''اب جا کر بتاؤں گا کہ تم ملے تھے تو تمہارے بارے میں سب کچھ پوچھے گی۔''

''کیا؟''

''یہی کہ تمہاری بیوی کیسی ہے۔ تم اس شادی سے خوش ہو یا نہیں؟''

''اسے کہہ دینا تاجر کا بیٹا تاجر ہی ہوتا ہے۔ وہ آگے کی ہی سوچتا ہے۔ بیتے وقت کو سنبھال کر نہیں رکھ سکتا۔ اسے تو فائدے نقصان کا حساب رکھنا پڑتا ہے۔''

''سچ بتانا کاشف تم اس سے محبت کرتے تھے؟'' سعد نے پوچھا۔

''کاشف تم اسے اتنا چاہتے تھے تو پھر یہ شادی کیوں کر لی؟''

''گھاڑی میں جوتائی کرنے والا بیل اپنے گھر کو ہی دیکھتا ہے۔'' کاشف بولا، اس کی آواز میں بے بسی تھی۔ اس کی آواز درد میں ڈوبی ہوئی تھی۔

''کاشف سچ بتاؤ تم اس سے محبت کرتے تھے؟ اچھا تمہیں اسے کوئی پیغام دینا ہے۔'' سعد نے پوچھا۔

''دوست چھوٹے...... پڑھائی چھوٹی...... وہ بچھڑی......اب وطن بھی چھوٹا۔ میرے ہاتھ سے......وقت ریت کی طرح پھسل گیا......دو دن بعد فلائٹ ہے......۔

وہ مڑ کر چپ چاپ ریل کے ڈبے کی طرف چل دیا۔ سعد نے محسوس کیا کہ اس کی آنکھیں بھر آئی ہیں۔ سعد خاموش کھڑا رہ گیا۔ وہ آواز دینا چاہتا تھا لیکن الفاظ گلے سے نہیں نکلے۔

کاشف اور سعد کے کمرے ہاسٹل میں قریب ہونے کی وجہ سے دونوں میں گہری دوستی تھی۔کاشف کے ذریعے ہی سعد کا تعارف زینب سے ہوا تھا۔وہ ان دونوں کی محبت کے بارے میں جان گیا تھا۔موٹر سائیکل کی آواز سناٹا توڑتے ہوئے سڑک پر دوڑ رہی تھی۔وہ ہاسٹل پہنچا۔ اپنی میز پر بیٹھا سو رہا تھا۔اب کاشف چلا گیا ہے تو زینب کے دل کو میری محبت فتح کر لے گی۔وہ اپنی ڈائری پہ زینب کا نام لکھتے ہوئے اس کے بارے میں سوچ رہا تھا۔دروازے پر زینب کو دیکھ کر اس کی سانسیں اوپر نیچے ہونے لگی۔اس کے رویے سے تو ایسا لگ رہے جیسے اسے معلوم ہو گیا ہے۔

کیوں کہ وہ اب یہ جان گئی ہے کہ میں اس سے ملا ہوں۔کاشف کے بارے میں جاننے کے لیے بیتاب ہوگی۔جس نے اسے ٹھکرایا ہے اسی کے بارے میں سوچتی ہے۔اسے کیسے معلوم ہو گیا کہ میں اس سے مل کر آیا ہوں۔وہ حیرت زدہ ہو کر بیٹھا رہ گیا۔

اسے بند آنکھوں سے سب دیکھائی دے جاتا ہے اور میں کھلی آنکھوں سے بھی نہیں دیکھ پاتا ہوں کہ یہ مجھے نہیں اسے چاہتی ہے۔لڑکے اسے دیکھ کر باتیں بنائیں گے۔باہر جھانک کر دیکھا اور گہری سانس لی۔کلاسیں چل رہی ہیں ہاسٹل میں سناٹا چھایا ہوا ہے۔

''میں نے گھر فون کیا تھا۔جمیلہ نے بتایا تھا وہ لوگ جئے پور نانی کے پاس آئے ہیں۔ مجھے لگا وہ یہاں آیا ہے تو تمہارے پاس ضرور آیا ہوگا۔تم سے ملے بغیر نہیں رہ سکتا۔''

''ہاں ملا ہوں۔''

سنتے ہی اچانک زینب کی پلکیں جیسے پوری کھل گئیں اور آنکھوں میں ایک پل کے لیے چمک آ گئی۔پھر اداس ہو گئی۔

''یہاں آ کر بھی میرے سے نہیں ملا۔کیوں سعد......''

''کیا فائدہ''

''ہاں''اس کے آنسو بن بلائے مہمان کی طرح آ گئے۔

''تم بھی تو جا سکتی تھی۔''سعد نے کہا۔

''کیا کرتی وہاں جا کر؟اس کی بیوی کے سامنے رو بھی تو نہیں سکتی اور وہ مسز کاشف کہہ کر اس سے میرا تعارف کراتا جو میری جگہ......''اس نے اپنے جملے کو یوں پھینکا جیسے کوئی لٹو پھینکتا ہے اور لٹو اپنے تکلے پر گھومتا رہتا ہے۔اس نے اپنی کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

''چلو زینب گل مہر کے نیچے بیٹھ کر باتیں کریں گے۔''

وہ سوچ رہا تھا عاشق سے بچھڑنے کے بعد غم میں اس کی ہر رات اداس ہوتی ہوگی۔ ہر رات اندھیرے میں ڈوبی ہوگی۔ میں اسے تھوڑی خوشی دے سکوں تو شاید یہ مجھے چاہنے لگے۔

صحن میں چاروں طرف کھلے ہوئے پھولوں کو دیکھنے لگی۔

اس وقت وہ اس کے خیالوں میں ڈوبی بیٹھی تھی۔اس کی پلکیں جھکی تھیں۔خیالوں کو پلکوں کے اندر بند کر، مانو اسے بند کر کے رکھنا چاہتی تھی۔

''نارمل لائف جینے کے لیے خوش رہنا ضروری ہے زینب۔'' اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر کہا۔ ''نہیں تو تم Depression کی شکار ہو جاؤ گی۔''

''مجھے اب کچھ اچھا نہیں لگتا۔'' بیتابی سے بولی ضمیر کی چیخوں نے اسے اتنا کمزور بنا دیا تھا کہ پلکیں بند رکھنی پڑ رہی تھی۔

''میرا مطلب ہے تم بورنگ قسم کی سختیاں اپنے اوپر لادے مت پھرو۔زندگی زندہ دلی کا نام ہے۔''

سعد کچھ کہہ رہا ہے اس کے لہجے میں محبت ہے۔اپنا پن ہے۔جانے کیا کیا ہے۔لیکن اس پر اثر ہو رہا ہے یا نہیں۔سعد نے جاننا چاہا تو پایا زینب کا جسم یہاں ہے وہ نہیں۔

سعد کے دل میں بہت دنوں سے جو تھا آج اس نے بتانے کا فیصلہ کر لیا۔آج میں اپنے دل کی بات اس کے سامنے رکھ دوں گا۔لیکن اسے معلوم تھا ایسا کرنے پر بھی ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔میں جب تک اپنی محبت کو چھپائے رکھوں گا یہ مجھ سے ملتی رہے گی۔جیسے ہی میں نے اسے بتایا وہ مجھ سے دور ہو جائے گی۔پر آج سب کچھ بتانا ہی ہوگا،اب صبر نہیں کر سکتا۔وہ زینب کو دوبارہ اپنے ساتھ کمرے میں لے آیا۔

کمرے میں آتے ہی بولا ''میں جانتا ہوں اپنوں کے بچھڑنے کا احساس بری طرح تڑپاتا ہے۔ہمت سے کام لو۔''

سعد نے اپنی ڈائری الماری میں سے نکال کر میز پر رکھ دی۔آج اسے سب کچھ بتا ہی دوں گا۔اس کی میز پر رکھی کاشف کے ساتھ سعد کی تصویر دیکھتے ہی اس کی آنکھوں سے ندی بہنے لگی۔

وہ پلنگ پر بیٹھ گئی۔سعد نے چائے بنانے کے لیے اسٹو جلایا۔کیتلی کی طرف دیکھا

چائے ابل گئی۔کپ میں ڈال کر اسے چائے کا کپ دیتے ہوئے پیار بھری نظروں سے دیکھا۔اس کے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر کہا۔"یہ کیا کم ہے کہ تمہیں اس کا پیار ملا۔"

اس نے آنکھیں کھول دی۔خوبصورت آنکھیں گلابی ہو رہی تھیں۔اس کا چہرا سعد کے چہرے سے بالکل قریب تھا۔

"محبت کرنے والوں کو کبھی اطمینان نہیں ہوتا کہ اسے پیار ملا ہے۔جب تک سورج نہیں نکلتا چاروں طرف رات ہوتی ہے۔"

"تمہیں کیا معلوم زمین کا ہر حصہ سورج کے رابطے کو چاہتا ہے، جسے ایک بار پیار مل جاتا ہے وہ ہمیشہ پیار چاہتا ہے۔دل چاہتا ہے مر جاؤں۔"

"میں تم سے ایسی امید نہیں رکھتا۔آج کل کی لڑکیاں حالات کا ہمت سے سامنا کرتی ہیں۔چھوڑو یہ باتیں، اس نے تم سے جتنا پیار کیا اتنا کوئی کسی سے نہیں کر سکتا۔"

"مائی فٹ" اس نے چیخ کر کہا اور تلخ لہجے میں پوچھا "کوئی ثبوت ہے تمہارے پاس؟ اب وہ اپنی بیوی سے بہت محبت کریگا۔ایک ہی گھر میں رہ کر، ایک ہی بستر پر اٹھتے بیٹھتے، سوتے محبت کریگا۔" اس کی آنکھوں کی کٹوریوں سے آنسو موتی بن کر ٹپک پڑے۔وہ بے چین ہو کر سعد کے سینے پر سر رکھ کر رونے لگی۔

"تم کیا جانو سعد وہ کیسا نکلا............گرگٹ............"

سعد نے سوچا کیسے بتاؤں کہ میں اس سے کتنی محبت کرتا ہوں۔کچھ لوگ پہاڑ کے پیچھے اس طرح ہوتے ہیں، جس طرح کئی بار سورج ہوتا ہے۔

میں تو ایسا ہوں جیسے جن لوگوں کو خوشبو لگانے کو نہیں ملتی تو وہ دوسروں کے کپڑوں پر لگے خوشبو کو سونگھ کر خوش ہو لیتے ہیں۔

"میں تمیں بہت چاہتا ہوں زینب۔" اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے سعد نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔"میں تمیں بہت چاہتا ہوں............"

"اوہ.....آئی ایم سوری سعد، اب میں تمہاری محبت کا کیا کروں؟ دل ہی تو نہیں ہے میرے پاس" بے خودی حالت میں بولی۔

"زینب"

سعد کے منہ سے نکلا ہوا لفظ اتنا پیار بھرا تھا کہ وہ اس میں ڈوب گئی۔ سعد کے سینے پہ سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ سسکیوں سے اس کا جسم ہل رہا تھا۔ سعد نے اسے اپنی بانہوں میں بھر کر اسے زور سے چپکا لیا۔ اس کے سر پر اپنا ہونٹ رکھ دیا۔ جیسے وہ یقین دلا رہا ہو کہ میرا پیار تمارے لیے وقف ہے۔ میں تمہارا ہوں ....

لیکن زینب کو تو سعد کے لفظ چھو نہیں پائے۔ اسی طرح اس کا بوسہ بھی چھو نہیں پایا۔

''ہم کبھی ایک دوسرے سے الگ ہونے کے بارے میں نہیں سوچتے تھے۔ کبھی کسی کو کوئی شکایت نہیں تھی۔ پھر یہ سزا کیوں؟۔ درد سے بھرے آنسوؤں کو روک نہیں پا رہی تھی۔ وہ مایوس ہو کر بے خود ہو رہی تھی۔ سعد اسے اپنے سے چپکائے کھڑا تھا۔

سعد نے اس کے بالوں پر ہونٹ رکھ دیے۔

''دیکھو شادی سے محبت کا کوئی تعلق نہیں ہوتا اور نہ محبت سے شادی کا۔'' سعد نے اسے سمجھانا چاہا۔

''کسی دباؤ میں تو اس نے محبت نہیں کی تھی۔ کسی دباؤ کے چلتے تو شادی بھی کرنے والا نہیں تھا۔ پھر کیوں کر لی اس نے شادی؟'' بار بار یہی سوال اسے پریشان کر رہا تھا۔

سعد کیسے بتائے کہ اس کی ماں نے خود کشی کرنے کی دھمکی دے کر یہ شادی کرنے کے لیے مجبور کیا تھا۔ اس نے سب کچھ بتایا تھا۔ اکلوتے بیٹے کا فرض ادا کرنا ہی تھا۔ اگر یہ سچ میں اس کے سامنے لا دوں تو شاید یہ اسے کبھی بھول نہیں پائے گی بلکہ اور زیادہ غم میں ڈوب جائے گی۔

''سعد اب اس کا تن غزالہ کا ہے من تو میرا ہی ہے نہ'' کہتے ہوئے اس کے چہرے پہ کئی سوال تھے۔ ''انسان دولت بانٹ سکتا ہے، دل نہیں ہے نہ سعد۔''

''ہوش میں آؤ زینب ..... محبت تمارے قدم چومنے کو بے قرار ہے۔''

''سعد ٹکڑے ہوئے دل کو کبھی کسی کے ساتھ شیئر نہیں کرنا چاہئے۔ نہیں تو جسم کسی کا ہوگا اور دل کسی اور کا .... تمہیں معلوم ہے ایک پہیئے سے گاڑی نہیں چلتی۔'' ایسا لگ رہا تھا وہ خود کو سمجھا رہی تھی۔

شام کی گہرائی بڑھتی گئی۔ وہ ایک ایسی لڑکی کو سینے سے لگائے کھڑا تھا، جس کا محبوب اسے چھوڑ گیا تھا۔ اب وہ اپنے آگے پیچھے کچھ نہیں دیکھ سکتی۔ اس نے اس کی حالت دیکھ کر

کہا۔ ''چلو تمہیں ہاسٹل چھوڑ آؤں۔''

''نہیں ہاسٹل جانے کا من نہیں ہے اکیلی ہونے کا ڈر مجھے ڈستا رہے گا، میں تھوڑی دیر یہیں رک جاتی ہوں۔'' وہ پلنگ پر لیٹ گئی۔ جیسے بہت دور چل کر آنے پر تھک گئی ہو۔

''اب تم بھی شادی کرلو یا کسی سے محبت......'' سعد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کیا میری شادی ہو جاتی اور میں برداشت کر سکتی کہ اس کے دل میں کوئی دوسری ہے اور باہوں میں کوئی اور۔''

''عورت ہو یا مرد شادی ہو جانے پر نبھانا ہی پڑتا ہے۔ جھوٹ یا سچ کے سہارے تو زندگی جینی ہی پڑتی ہے۔''

''شادی کا رشتہ تو ہوتا ہے ایک گھر، ایک پلنگ اور ایک ساتھ کے بچے......ساتھ کے سکھ دکھ۔'' وہ بڑبڑائی۔ اسے ہمیشہ یہی خیال آتا۔

''تمہیں محبت چاہئے نا......'' سعد نے اس کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''ہاں میں بچپن سے ہی محبت پانے کے لیے ترس رہی ہوں۔ ماں باپ سے پیار نہیں ملا...... بھائی بہن نہیں، ان کی محبت کہاں سے لاؤں......اب عاشق کی محبت کو ترس رہی ہوں...... اب محبت کے بغیر زندہ رہنا مشکل ہو گیا ہے۔'' خود سے بولی۔ ''لیکن سعد اب میں زندہ رہ کر کیا کروں گی۔''

''میں دوں گا تمہیں محبت'' سعد نے کہا۔ اچانک زینب کے درد بھرے ہونٹوں پر پیار کی اوس بچھ گئی۔ ایک معصوم بچی کی طرح ڈبڈبائی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ کر ہنس دی۔''

''تم بھی تو مرد ہو سعد......وقت آنے پر چھوڑ جاؤ گے۔''

سعد نے دیکھا اس کی گہری اور سنجیدہ پلکوں پر کتنی کشش سمائی ہوئی ہے، وہ بہت پیار سے بولا۔ ''میں اپنی روح سے زیادہ پیار دوں گا۔''

زینب نے اسے ایسی نظروں سے دیکھا، جیسے کاشف کے ساتھ اس کا موازنہ کر رہی ہو۔ سعد اسے سہلانے لگا۔ اس کے چہرے اور ہاتھوں کو چومنے لگا۔ وہ گم صم سی پلنگ پر لیٹی تھی، جیسے چلتے چلتے بہت تھک گئی ہو۔ سعد نے اس کا چہرا دونوں ہاتھوں میں لے کر اپنا ہونٹ اس کے ہونٹ پر رکھ دیا۔ سعد پوری طرح پرجوش ہو گیا۔ اس کا جسم، اس کے روئیں روئیں پیار کی

گدگداہٹ سے بھر گئے۔زینب کے دل میں کاشف چھایا ہوا تھا۔وہ زندگی کی یادوں میں ایک رابطہ محسوس کرنے لگی،اس کے ساتھ اس کی آنکھوں میں تیر گئی کاشف کی تصویر۔سعد کو ایسا لگا اپنا جسم اسے سپرد کرتے وقت یہ جیسے کاشف سے بدلا لے رہی ہے...... کسی دبنگ شوہر کی بے بس بیوی کی طرح چپ چاپ لیٹی تھی۔اپنی ہوس پوری کرتے وقت اسے لگا جیسے یہ مجھ میں کاشف کو محسوس کر رہی ہے۔وہ اظہار کی طلب کو جھیلنے لگا لیکن زینب کے لیے یہ اظہار دماغ کی انتہائی سرگرمی کے بجائے مباشرت سے ظاہر ہو رہا تھا۔طوفان گزر جانے کے بعد سعد سوچ رہا تھا یہ میری نہیں ہو سکتی۔یہ صرف مجھ سے غم شیئر کرنے آتی ہے اور میری یہ کمینی حرکت۔وہ خود سے شرمندہ ہو گیا۔اس کی روح اسے دھکارنے لگی۔یہ مجھے سے کیا ہو گیا۔یہ اپنی ہوش کھو چکی تھی لیکن میں تو ہوش میں تھا۔اس کی کمزوری سے میں نے فائدہ اٹھایا ہے۔میں تو ہوش میں تھا۔

سچ مرد تو گِدھ ہوتا ہے، جسے گرم خون اور گوشت پسند آتا ہے۔لاش دیکھتے ہی اس پر ٹوٹ پڑتا ہے۔

زینب سوچ رہی تھی جب کاشف کو اس جسم کی ضرورت نہیں تو اب یہ جسم میرے کس کام کا، یہ تو کوڑے کا ڈھیر ہے۔

''چلو تمہیں ہاسٹل چھوڑ دوں۔''

''ایسی بکھری حالت میں وہاں جانا ٹھیک رہے گا......؟ جانا تو وہیں ہوگا، دوسرا کوئی ٹھکانا بھی تو نہیں'' زینب درد بھری مسکان لیے کھڑی ہو گئی۔

چاند موٹر سائیکل کے ساتھ بھاگتا چلا جا رہا تھا۔عمارتیں سامنے آجاتیں تو دکھائی نہیں دیتا۔سڑک پر پوری رونق تھی۔دن بھر کی روشنی کے بعد رات کی بتیاں پلکیں کھولے کھڑی راہ گیروں کو تاک رہی تھیں۔گاڑی چلاتے ہوئے سعد سوچ رہا تھا کہ دل تک جانے کے لیے ایک ہی راستہ ہے جسم۔دوسرا کوئی راستہ نہیں لیکن اب سمجھ گیا ہوں کہ جسم کے ذریعے تو ہرگز نہیں۔میں نے سوچا تھا آنکھوں کے ذریعے میں اس کے دل میں نہیں اتر سکا تو جسم کے ذریعے ہی صحیح پر میری یہ سوچ غلط ہے۔

وہ بہت اداس تھی۔اسے لگ رہا تھا سعد کے ذریعے کاشف کی روح میرے جسم میں داخل ہو گئی ہے۔سعد کے لمس سے اسے کاشف کے چھونے کا احساس ہو رہا تھا۔

اپنے ہاسٹل کے گیٹ پر کھڑے ہوکر اس نے سعد سے کہا۔ ’’سعد تم کاشف کے دوست ہو، تم میں اس کی خوشبو سمائی ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں تمہارے قریب آئی ہوں۔ تم کبھی اس سے ملنا تو ضرور بتانا کہنا ہماری ملن ملاقات میں تم موجود تھے...... تم ہی تھے...... کاشف تم۔‘‘

وہ ہاسٹل کے اندر چلی گئی۔ سعد وہیں کھڑا رہ گیا۔ رات بھر سعد کو زینب کے ساتھ کی گئی اپنی حرکت بہت بری لگ رہی تھی۔ اس کی نیند غائب ہوگئی۔ کمرے کا ماحول اسے عجیب لگ رہا تھا۔ اس کی اپنی پلنگ اسے غیر کی لگ رہی تھی۔

عورت مرد کو سچے دل سے دوست سمجھتی ہے اور مرد اس دوستی کو اوپری طور پر قبول کرتا ہے۔ دوستی کو ایک پردہ مان کر، اس کے پیچھے کھڑے ہو کر مرد عورت کو شہوت انگیز نظروں سے دیکھتا ہے۔

مرد کو سماجی ماحول ملتا ہے پھر بھی اس کی ساری حرکتیں جانوروں جیسی ہی ہوتی ہے۔ یعنی کہ مرد کا بنیادی روپ کئی جگہوں پر بالکل جانوروں کی طرح ہوتا ہے، لیکن وہ سماج میں رہنے سے سماجی اور مذہبی رسومات کی وجہ سے ہی جانوروں سے الگ ہوتا ہے۔

نظم وضبط کی وجہ سے اپنے نظریے پر خود سے قابو پالیتا ہے اور اپنے آپ کو جانوروں کے زمرے سے اوپر اٹھاتا ہے۔ وہ اپنی خصوصیات کو آگے بڑھاتا ہے اور دنیا کی ساری سماجی اور مذہبی عقاید کی اچھی خصوصیات میں اضافہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن مرد کی پیدائشی عادتیں کبھی پوری طرح ختم نہیں ہوتی۔ پرورش میں تھوڑی سی لاپرواہی دل کو بہکاتی ہے اور قدم ڈگمگا جاتے ہیں۔ سعد کا من اس وقت کسی بھی کام میں نہیں لگ رہا تھا۔ ایک علیحدگی سی اسے اپنی اعضاء میں محسوس ہو رہا تھا۔ میں اسے پانے کے لیے بے چین تھا۔ اسی بے چینی نے مجھے مجبور کر دیا تھا کہ میں اسے حاصل کرلوں......۔

وہ چپ چاپ اپنے کمرے میں جا کر لیٹ گئی۔ من بھاری تھا۔ اچھا ہوا یا غلط؟ وہ کچھ نہیں سوچنا چاہتی تھی۔ دل چاہا جی بھر کر روئے لیکن آج اسے رونا نہیں آیا۔ آنکھوں میں کھارے آنسو ٹمٹمارہے تھے۔ یہ کیا ہو گیا ہے؟

اسے یاد آئے وہ دن جب اس کے محبت کی ابتدا ہوئی تھی۔ وہ ایک نئی دنیا میں پہنچ گئی تھی۔ وہ چاند ستاروں کی دنیا تھی۔ روز ساتھ گھومنا ملنا۔ محبت کے جھولے میں جھولا جھولنے

لگے۔ایک دن وہ فلم دیکھنے گئے۔فلم کے منظر کے ساتھ ہی جب کاشف نے اس کی کمر میں اپنی باہیں ڈال کر اسے اپنے قریب کرلیا اور اپنی بانہوں میں پہلی بار لینے کی ہمت کی تھی۔اس نے پہلی بار پیار سے چھوا تھا۔زینب کے روم روم کانپنے لگے۔

زینب کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کاشف سہلانے لگا۔پھر زینب کو لگا جو بات یہ زبان سے نہیں کہہ پایا اس کے ہاتھ کہہ رہے ہیں۔اسے بہت تعجب ہوا کہ ہاتھوں کی بھی زبان ہوتی ہے۔مرد جو خاموش نظر آتے ہیں کتنے باتونی ہوتے ہیں۔بغیر کچھ کہے بھی بہت کچھ کہہ دیتے ہیں۔اس ایک لمحے میں زینب عورت بن کر کاشف کے بارے میں سوچنے لگی۔

اسے کاشف کا اپنے سینے سے لگانا عورت ہونے کا احساس دلا گیا۔محبت میں کتنی طاقت ہوتی ہے......ایک لمحے میں عورت ہونے کا احساس......اس طرح چھونے سے اسے عجیب سی کیفیت محسوس ہوئی۔کاشف کا دل حدیں پار کرنے کو بے قرار ہوگیا۔معمولی سا احتجاج کرتے ہی زینب کو نجات مل گئی۔ان مختصر سے لمحوں ہی میں دونوں کی نس نس میں ایک خواہش پیدا ہونے کے ساتھ عجیب سا منشیات اظہار اس کے من میں وہ پل ہمیشہ کے لیے گہرے ہوکر بیٹھ گئے۔

خود پر قابو پاتے ہوئے کاشف بولا۔''زینب......سوری......شادی کے پہلے پیار ضرور کرنا چاہئے۔لیکن محبت کے تعلقات میں ایک حد ہونی چاہیے۔حد نہ ہو تو سب کچھ ناجائز ہوتا ہے۔محبت کے موضوع کے ساتھ ہوس کا سوچنا ہی ناجائز ہوتا ہے۔''

''لوگ کہتے ہیں پیار کر کے بھی کچھ دینے اور پانے کو ترستے رہو تو بھلا یہ کیسی محبت ہوئی۔احساس، خواب اور خواہشیں تو سبھی میں ہوتی ہیں۔میں انسان سے تو الگ نہیں......پھر بھی ہمیں اعتدال پسندی سے رہنا ہے۔'' کاشف جیسے خود کو سمجھا رہا تھا۔''محبت کی امنگ کو شادی تک روکے رکھنے میں ہی فائدہ ہے۔''

زینب کو لگا اس کے خیالات کتنے اچھے ہیں۔چنچل لڑکی......اسے لگا بچپن پیچھے چھوٹ گیا۔اس کے اندر خوشی کی لہر دوڑنے لگی۔کاشف کی طرف اس نے ایسی نظروں سے دیکھا، اسے محسوس ہوا اس کی آنکھوں میں شراب جھلک رہا ہے۔عشق کے احساس میں اس کے اظہار کا پورا وجود بھیگ رہا ہے۔وہ عشق کی چاندنی میں نہا رہی ہے۔کاشف اس کی آنکھوں کے ذریعے اس کے دل میں اتر گیا۔وہ محبت کے جھولے میں جھولا جھولنے لگے۔دونوں عاشق ایک دوسرے کو پا

کرنہال تھے۔ابھی دن ہی کتنے بتائے تھے۔ابھی محبت کی دنیا میں کتنے پھول کھلنے باقی تھے۔ تقدیر کی آندھی چلی، اس کی زندگی میں شدید طوفان آگیا۔

جس نے وعدے کیے تھے۔قسمیں کھائی تھی کہ ہم کبھی جدا نہیں ہوں گے۔اب کتنا دور چلا گیا۔

وہ لیٹی تھی۔آنکھوں کے پلکوں میں جھلملاتے آنسو سوکھ چکے تھے۔پھر بھی اس کو تکلیف ہو رہی تھی۔دل میں درد کی لہریں اٹھ رہی تھیں۔قلب میں لامحدود درد بھرا اٹھا۔دنیا بھر کی تکلیفیں اس کی گرم پلکوں میں آسمائی۔

ابھی تھوڑی دیر پہلے شام ہوئی ہے۔رات کی کالی چادر دیکھ کر اجالا منھ چھپا کر بھاگ گیا۔اس کے دل میں کتنی تکلیف بھری ہوئی تھی۔وہ کاشف کی تصویر اٹھا لائی۔اس کے ساتھ بتائے ہوئے دن بھول پانا ناممکن تھا۔تصویر دیکھتے دیکھتے اسے ایسا لگا ابھی بول پڑے گا۔مرتے دم تک اسے بھول نہیں پاؤں گی۔اس کی یادوں کو کلیجے سے لگائے رکھوں گی۔میرے عاشق کی یادیں میرے سینے میں رہے گی۔رات ہو چکی تھی۔کاشف کی تصویر اس کے بستر پر پڑی رہی۔وہ نیند کی آغوش میں چلی گئی۔
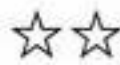
چھ

گل مہر کے نیچے پارک میں رکھی سنگ مرمر کی بینچ پر بیٹھی زینب کا دل بے سدھ ہوا تھا۔ بار بار اس کی نظر پارک کے گیٹ پر جا ٹھہرتی مگر سعد آتا ہوا دکھائی نہیں دیا۔ اسے یقین تھا۔ وہ روز کی طرح اس سے ملنے ضرور آئے گا۔

دھوپ چڑھنے لگی۔ سعد اسے کلاس میں ڈھونڈتا رہا، وہ نہیں ملی۔ وہ موٹر سائیکل لے کر ہاسٹل پہنچ گیا۔ وہ وہاں بھی نہیں تھی۔ اسے فکر ہونے لگی۔ اسے نہ پا کر اس کے دل میں جانے کیسا خیال اٹھا۔ وہ کس سوچ میں پارک پہنچ گیا، اسے معلوم ہی نہیں۔ ایک ڈر اسے تھا کہ کہیں زینب کل کے واقعے سے...... کچھ کر نہ لے۔

''مجھے لگا تھا تم آؤ گے سعد۔''

''تمہیں کیسے پتہ چلا...... یہ ملنے آنے کا وقت تو نہیں ہے۔''

''بس یونہی'' اس کے ہونٹوں پہ درد بھری مسکان تھی۔

شاید اسے اس گل مہر کے نیچے بیٹھ کر سکون ملتا ہے۔ کل کے واقعے کا میرے دل پر بوجھ ہے...... اس کے دل پر بھی بوجھ ہے۔ اس لیے کالج نہ جا کر یہاں آ کر بیٹھی ہے۔

کبھی سعد کو خوشی محسوس ہو رہی تھی کہ میں نے اسے پا لیا۔ ایک خوشگوار احساس...... لیکن اس طرح۔ ایسا تو میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ میں تو اس کا دل سے سپردگی چاہتا تھا۔

اس جگہ پر بیٹھ کر یہ ان لمحوں کو یاد کر رہی ہے یا پھر بھولنے کی کوشش۔ اس نے زینب کی آنکھوں میں جھانکا۔ چار آنکھیں آپس میں لمحے بھر کے لیے ملیں، لیکن سعد کی آنکھیں زینب کی آنکھوں میں بکھری ہوئی بے بسی کو نہیں پڑھ سکیں۔

وہ تو دیکھنا چاہتا تھا کل کا ردعمل کیا ہے۔ لیکن اس کے چہرے سے تو ایسا لگ رہا تھا کہ

جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔وہ ویسے ہی کاشف کی باتیں کرتی رہی۔سعد نے دیکھا یہ ناراض نہیں ہے اس سے اس کے دماغ میں اٹھی جھنجھلاہٹ سے کچھ راحت ملی۔ریستوراں میں چائے پینے کے بعد کالج کی باتیں کرنے لگے۔کل کے واقعے کی بات شروع نہ ہونے دینے کے لیے وہ کاشف کی باتیں کرنے لگی۔

اب ان کی عادت ہوگئی گل مہر کے نیچے آکر بیٹھنا، کاشف کی باتیں کرنا۔لیکن اس کے ساتھ بتائے لمحوں کو وہ ایک پل بھی نہیں بھولتی۔جتنی دیر سعد اس کے ساتھ رہتا، اس کا ہاتھ پکڑے بیٹھا رہتا۔لیکن سعد کو لگا جب میں یہاں سے اٹھ کر جاتا ہوں تب میرے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں ہوتا ہے۔

دوپہر تیز دھوپ کا قہر۔راستے سنسان تھے۔کمرے میں پنکھا چلنے کی آواز آرہی تھی۔ کھلی کھڑکی سے سڑک پر چلنے والی گاڑیوں کی آوازیں آرہی تھیں۔سعد نے ہاسٹل سے باہر کمرا لے لیا تھا۔یہاں زینب آسانی سے آسکتی تھی۔لکھتے لکھتے اس نے سر اٹھا کر دیکھا وہ دروازے کے بیچ کھڑی تھی۔اندر آتے ہی سوال کیا ”آخر ہماری محبت ...... ہمارا ملنا جلنا سب کچھ بھلا دیا نہ اس نے۔“

”تم نے کیسے اندازہ لگا لیا؟ وہ تمہیں کبھی نہیں بھول سکتا۔“

”پھر اس نے ماں باپ کا فرمانبردار بیٹا بننے کا ڈراما کیوں کیا؟“ وہ غصے سے بھری ہوئی آئی تھی۔لگتا ہے آج اسے کاشف کی یاد نے بہت ستایا ہے۔

”دنیا میں بہت سے رنگ ہوتے ہیں زینب۔اس پر ماں باپ کے لیے وفاداری کا رنگ کچھ زیادہ چڑھ گیا تھا۔“

”اور میرے لیے محبت کی وفاداری کا رنگ ......؟“

”تمہارے کاشف کا رنگ سفید بادلوں کی طرح ہے۔سورج کی روشنی کی طرح تمہاری محبت کی روشنی اس پر پڑی تو اس کا رنگ محبت کی روشنی میں گلابی ہوگیا۔ماں باپ کے پیار کا رنگ اس پر پڑا تو ان کے لیے وفاداری کا رنگ چڑھ گیا...... اب غزالہ کی محبت میں سنہری ہو گیا ہوگا۔لیکن سب کے رنگ پکے ہیں۔“ اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

”تو اب بیوی کا رنگ چڑھنے لگا ہے۔“ وہ جیسے ہر لفظ چبا چبا کر بول رہی تھی۔”نہیں

اس پر بیوی کا رنگ نہیں چڑھ سکتا۔''

''کیوں، تم کیسے کہہ سکتی ہو۔''

''وہ میرے جیسا پیار کر ہی نہیں سکتی۔''

''کیوں نہیں کر سکتی؟''

''تم کیا سمجھو گے......تم نے تو کبھی محبت کا سبق پڑھا ہی نہیں۔''

وہ ایسے بولی جیسے اسے سعد کا کسی سے محبت نہیں کرنے کا بڑا دکھ ہو رہا ہے۔ وہ ایک دم بھڑک کر بولا۔ ''میں تم سے کتنا محبت کرتا ہوں جانتی ہو تم؟ تمیں تو کاشف سے فرصت ہی نہیں ہے۔''

''اوہ......آئی ایم سوری......! میں اب اس پیار کا کیا کروں؟'' جیسے اس کا دل ہاہا کار کر رہا ہو۔ آنکھوں سے جھر جھر ہو کر آنسوؤں کی لہر نکل رہی ہو، اس نے دونوں ہاتھوں میں اپنا چہرا چھپا لیا۔ وہ حیران پریشان بیٹھا رہ گیا۔ سسکتے ہوئے اس کا جسم ہل رہا تھا۔ سعد نے اٹھ کر اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے۔ وہ کچھ کہتا اس سے پہلے وہ بڑی درد بھری آواز میں بولی۔ ''کبھی کوئی شمع سے پوچھتا ہے تم کیوں جل رہی ہو؟ جب تک اس میں تیل کی ایک ایک بوند ہوتی ہے دوسروں کو اجالا دیتی ہے......آندھی آکر اسے بجھا دیتی ہے۔''

زینب سعد کا ہاتھ چومتے ہوئے بولی۔ ''تم نہیں ہوتے تو میں کیا کرتی......اسی دن میں یہاں گل مہر کے نیچے بیٹھی اسے یاد کرتے ہوئے مر جاتی اور میری لاش میرے گھر والوں کے حوالے کر دی جاتی۔ سب ختم ہو جاتا اور اسے معلوم نہیں ہوتا۔

''تم کچھ دن کے لیے اپنے گھر چلی جاؤ۔''

''تمہیں پتہ ہے سعد میں اپنے ماں باپ کو بے حد چاہتی ہوں...... مجھے آج ان کی ضرورت ہے......لیکن وہ لوگ تو محبت کی زبان جانتے ہی نہیں...... مشہور سماجی کارکن ہیں۔ میری زندگی میں تو خوشیاں پہلے دن سے ہی نہیں رہی۔ پیدا ہوتے ہی دائی کے حوالے کر دی گئی۔ بچپن ہی سے خوشیوں کے پیچھے بھاگتی رہی، خوشیاں مجھے پہچانتی ہی نہیں۔ ایک لمبے عرصے کے بعد کاشف ملا، خوشیوں سے پہچان ہوئی، لیکن خوشیوں کی عمر بہت چھوٹی نکلی۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''سعد وہ گھر میرا خرچ اٹھا سکتا ہے......بوجھ نہیں۔''

''اچھا بتاؤ کاشف نے تمہیں کہاں کہاں گھمایا؟ کیا وہ تمہیں بہت چاہتا تھا؟'' وہ بات بدلنے کے لیے سوال پوچھنے لگا۔

''ہاں بہت چاہتا تھا......وہ تو تمہیں بھی بہت چاہتا تھا۔'' وہ ایک دم خوش ہو کر بولی۔

وہ اس کی باتیں کر کے اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتا تھا۔ اسے معلوم ہو گیا کہ اس کے دل میں اترنے کا راستہ کاشف ہی ہے۔ وہ دھیرے دھیرے سمجھانا چاہتا تھا۔

''زینی کبھی کبھی محبت کے فریم بدل جاتے ہیں۔''

''لیکن میں ان تصویروں میں ہی مرنا چاہتی ہوں۔''

''کیسی تصویر''

''ہر پل ایسی تصویر نظر آتی ہے کہ وہ دونوں ہمیشہ ساتھ رہتے ہیں۔ ساتھ کھاتے ہیں، ساتھ گھومنے جاتے ہیں اور ایک ہی بستر پر ساتھ سوتے ہیں۔''

''ہم بھی تو دن بھر ساتھ رہتے ہیں۔''

''ہم میں محبت نہیں ہوئی ہے۔......وہ محبت کر کے بے وفا نکلا۔''

سعد من ہی من غصے سے بھر گیا۔ الماری سے ایک ڈائری نکال کر لے آیا اور زینب کے ہاتھ میں تھما دیا۔ ڈائری کے کچھ لفافے نکل کر بستر پر پھیل گئے۔

''یہ دیکھو اس کے ہر ورق پر تمہارا نام درج ہے......کاشف کی تمہاری دوستی کے پہلے کے یہ خط جو تمہیں لکھے تھے میں نے...... پر کبھی پوسٹ نہیں کر پایا......'' لفافے پلنگ پر پھیل گئے۔ لفافوں پر اپنا نام اور ڈائری کے اوراق پر اپنا نام درج دیکھ کر اسے تعجب بھری نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر گئے۔ سب سمیٹ کر پرس میں ڈالتی ہوئی وہ اٹھ کر تیزی سے باہر نکل گئی۔

اپنے کمرے میں پہنچ کر دوپٹا پلنگ پر پھینک کر اوندھے منھ پڑ کر سسک سسک کر رونے لگی۔ خوب رو لینے کے بعد خاموش ہوئی۔ طوفان آنے کے بعد جیسے سناٹا ہو جاتا ہے۔ وہ ڈائری لے کر بھری بھری آنکھوں سے دیکھنے لگی۔

اس دن کے بعد سعد ...... یا ...... کاشف! زینب کے خیالوں میں ادلا بدلی شروع ہو

گئی۔اس کو میں نے کتنا ستایا ہے۔جس کاشف کو جانتی تھی پہلے اس کا روپ بنا......سعد کے روپ کی تصویر بننے لگی۔یہ کیسا پیار ہے......۔

اس نے اس کی ہر اداس بھری شام کو دور کرنے کی کوشش کی تھی،لیکن عاشق کے مریض کو کوئی Antibiotic کا اثر نہیں ہو رہا تھا۔لیکن جیسے جیسے سعد کا پیار اس کی ڈائری کے ذریعے سہلاتا جا رہا تھا۔وہ ہر بار اداسی کی ایک نئی اینٹ اپنے وجود سے اتارنے کی کوشش کر رہی تھی۔سعد کے بارے میں سوچنے پر مجبور تھی۔

محبت میں ناکامی کے بعد لوگ اپنی ہی سوچ کے جال سے باہر نہیں نکلتے۔ناکامیابی کے بعد عورت کے دل میں اپنی خواہشیں ختم ہو جاتی ہیں،لیکن اسے معلوم ہی نہیں ہوتا۔

دھیرے دھیرے زینب سعد کی غلامی کی عادی بن چکی تھی اور اسے معلوم ہی نہ ہوا۔زندگی کو بندھی بندھائی رفتار سے چلنا پڑتا ہے۔

زینب کے اندر رس کا چشمہ سوکھ گیا تھا۔مانو وہ پھر بہنے لگا۔گہرے ٹھہراؤ کا احساس لہرا رہا تھا۔اسی احساس میں اس کی محبت کا وجود بھیگ رہا تھا۔اسی سعد کے عشق میں نہائی زینب کی کچھ اداسی دور ہوئی لیکن وہ کاشف کو اپنی جگہ پر ہی پاتی۔

اس کے چاروں طرف نفرت کی گرم راکھ بکھری ہوئی تھی......غزالہ سے نفرت۔اس راکھ پر زینب ننگے پاؤں چل رہی تھی۔باتیں کرتی ہوئی وہ اچانک خاموش ہوگئی۔

”زینی کیا سوچ رہی ہو؟“

”وہ بے وفا اپنی بیوی کے لیے جان کی بازی لگا سکتا ہے۔اب وہ اسے پیار کرنے لگا ہے۔“

”ہم بھی ایسا کرتے ہیں“

”ہمارے بیچ میں پیار تھوڑی ہے۔“

اسے کیسے سمجھاؤں ...... پر یہ سچ کہتی ہے اسے مجھ سے پیار نہیں ہے۔یہ بے وفا نہیں صرف محبت میں ناکامی کی وجہ سے خود کو برباد کر رہی ہے۔مجھے تو یہ کاشف کے طور پر ہی قبول کرتی ہے۔سعد کے طور پر تو مجھے چھوتی بھی نہیں۔

کیوں میں اپنا نام اس کی زبان پر نہیں لکھ سکا؟اکثر لوگ محبت میں ناکام ہو کر اپنا ہوش کھو دیتے ہیں۔خود سے دور ہو جاتے ہیں،جیسے سمندر سے نکل کر موتی۔

ہریالی کے بیچ وہ پیلا سوٹ پہنے بیٹھی ایک پھول کی طرح لگ رہی تھی۔سعد سوچ رہا تھا۔اب کاشف کے نام سے مجھ نفرت ہونے لگی ہے، لیکن خاموش رہتا ہوں۔

وہ دونوں گھنٹوں کاشف کی باتیں کرتے رہے۔بار بار سعد اس کا ہاتھ پکڑ کر چوم لیتا۔اسے لگتا جیسے یہ مجھے تسلی دے رہی ہے۔وہ منع نہیں کرتی بلکہ ایسا لگتا کہ کاشف کی باتیں کرنے کے لیے شکریہ کہہ رہی ہے۔جیسے ہی وہ اس کی بات کاٹ کر دوسری باتیں کرتا فوراً وہ اپنی آپ کو سمیٹ لیتی۔لیکن کاشف کا نام سنتے ہی وہ لائن پر آ جاتی۔

اب زینب کے ساتھ ایسا لگتا جیسے اندر کے صحراؤں میں دونوں ساتھ ساتھ چلتے کئی پڑاؤ تک پہنچ گئے ہیں۔لیکن اس کے ساتھ کا سفر سعد کے لیے بے حد تھکا دینے والا تھا۔

''سعد کیا سچ مچ وہ اپنی بیوی سے بہت محبت کرنے لگا ہے؟''

''تم کیسے بھول جاتی ہو میں ساتھ ہوں وہ نہیں۔'' سعد جھلا کر بولا۔

''اوہ.....آئی ایم سوری.....پلیز تھوڑی دیر کاشف کی باتیں کرو نہ.....پلیز''

وہ ایسے بولی جیسے کوئی بچہ کھلونا یا چاکلیٹ مانگ رہا ہو۔اس کے دل پر ہتھوڑے کی سی چوٹ پڑی۔

''اب ان باتوں سے کیا فائدہ؟ تم روز روز ایسی تصویریں کیوں بنا لیتی ہو جن سے تمہیں تکلیف ہوتی ہے۔'' غصے کو قابو میں کرتے ہوئے بولا۔

''میں چاہتی ہوں ان تصویروں کو دیکھتے دیکھتے ہی مر جاؤں۔اب یہ تصویریں ہی تو میرے جینے کا سہارا ہیں۔''

جب کہ اب زینب اور سعد کے بیچ جسمانی تعلقات قائم ہو چکے تھے۔سعد جب چاہے اپنے طریقے سے محبت کرتا۔نازک لمحوں میں اس کے منہ سے کاشف کا نام سن کر وہ چکرا جاتا۔یہ تو اس میں اتنی ڈوبی ہوئی ہے کہ.....ان دونوں کے بیچ میں کیا ہوں؟

وقت گزر رہا تھا۔سعد بیٹھا سوچ رہا تھا۔ان کچھ دنوں میں اس کی اپنی زندگی کتنی بدل گئی ہے۔اپنے پرانے کمرے سے نکل کر ہاسٹل کے باہر آ گیا تھا۔نئے کمرے میں آنے کے بعد ہر لمحہ بدل رہا ہوں۔اپنی خود غرضی کی وجہ سے کسی کے ارمانوں سے کھیل کر میں ہر لمحہ برا کام کر رہا ہوں۔جب بھی بیٹھتے، باتیں کرتے کرتے قریب ہو جاتے ہیں تو وہ آنکھیں بند کر لیتی.....جیسے

وہ کاشف کی آغوش میں چلی گئی ہے اور اس کے ہونٹوں پر کاشف ہوتا۔

اب کاشف کا نام اس کے دل میں ہر بار ہتھوڑے کی چوٹ کی طرح لگتا۔ نفرت کا لاوا اس کے اندر بھڑکنے لگتا۔ وہ بڑی مشکل سے خود پر قابو پاتا۔

ابھی تک سنتے آیا تھا کہ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔ اسے بے انتہا ذہنی تکلیف ہوتی۔ میرے صبر سے اس کی ذہنی کشیدگی کم ہوتی ہے۔ لیکن میں اپنی ذہنی کشیدگی کا کیا کروں؟ اس کا کچھ تو حل ہونا چاہئے۔ میرے خدشات یقین کا روپ اختار کر رہے ہیں کہ میں اس کا تناؤ کم کرنے میں کامیاب ہو رہا ہوں۔ مگر دوسرے لمحے ہی وہ دوبارہ ویسے ہی ہو جاتی۔

زینب کے دل کی باتوں سے میں پوری طرح واقف ہوں۔ کئی بار سمجھانے کی کوشش بھی کرتا ہوں، لیکن وہ دور اندیشی بننے کو تیار ہی نہیں ہوتی۔ اس کے بھی نتیجے خطرناک ہو سکتے ہیں۔ اگر کسی طرح اس کے خیالات میں بدلاؤ ممکن ہو تو مسئلہ سلجھاتے دیر نہیں لگے گا۔ میں اسے کسی بھی طرح حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

''سب بے کار ہے۔'' سعد نے خود سے کہا۔ ''لیکن اس سے نہیں ملتا ہوں تو میں بے چین رہتا ہوں''

سعد نے خود سے کہا'' اب جلد ہی کوئی حل نکالنا ہوگا نہیں تو میں اسے پوری طرح حاصل نہیں کر پاؤں گا۔

سات

صبح کی دستک سے نیند سے بوجھل پلکیں کھلیں۔ آلسی بھری انگڑائی لے کر زینب اٹھی۔ تھوڑی دیر کے بعد نہا دھو کر تر و تازگی کے ساتھ کمرے میں بیٹھی نوٹس بنا رہی تھی۔ ہاسٹل کی نوکرانی نے آ کر کہا۔ ''آپ سے کوئی ملنے آیا ہے۔''

اسے تعجب ہوا گھر سے کون آ سکتا ہے۔ جب کسی کا رشتے دار یا کوئی کزن ملنے آتا تو لڑکیاں اسے بہت چڑھاتیں۔ ان کی لائی ہوئی مٹھائی یا نمکین چھین لیتیں اور مذاق ہی مذاق میں کھا جاتیں۔

ایسی لڑکیاں بھی تھیں جن کے گھر سے کوئی نہیں آتا۔ ان کا کوئی دوست بھی نہیں آتا۔ انہیں بھی لڑکیاں چھیڑتیں کہ اپنے اوپر پابندیاں کیوں لگا رکھی ہے۔

پاپا بیرون ملک میں ہیں۔ ماں کے پاس ملنے آنے کا وقت نہیں۔ وہ تو بس فون کے ذریعے ہی بات کر اپنا فرض پورا کر لیتی ہیں۔ نوٹ بک بند کر کے وہ ملنے جاتے ہوئے سوچ رہی تھی۔ ''اللہ خیر کرے'' ابھی کچھ دن پہلے ہی ماں نے ریحان کے والد کے انتقال کی خبر فون کے ذریعے دے دی تھی۔ آج کل اسے برا ہی سوجھتا رہتا ہے۔

سامنے ریحان کو بیٹھا دیکھ کر من ہی من سوچا، میں نے یہ تو سوچا ہی نہیں کہ ریحان آیا ہوگا۔ اس نے قدم بڑھائے اور اور اس کے سامنے کی کرسی پر بیٹھ گئی۔

''کیسی ہو زینب۔'' اس نے پوچھا۔

''ٹھیک ہوں۔'' کہہ کر وہ چپ ہو گئی۔

''تمہاری امی نے ملنے بھیجا ہے اور یہ خط دیا ہے۔''

''امی نے؟'' اسے تعجب ہوا۔ اس نے ریحان کو والد کے لیے دکھی دیکھا تو اس کا دل

بے اختیار چاہا کہ گلے لگ جائے۔ اس کے کندھے پر سر رکھ کر اس کا غم بانٹ لے۔ کسی اپنوں کے جانے کے بعد لگتا ہے اس کی ابھی مجھے ضرورت تھی۔ ریحان کے والد اسے جب بھی ملتے تھے، خوش ہوتے تھے۔ اس سے محبت رکھتے تھے۔

وہ نظریں نیچے کیے بیٹھی تھی۔ ریحان چپ چاپ اپنی انگلیاں مروڑتا رہا، خاموشی دونوں کو کھل رہی تھی۔

''پاپا کب تک رہیں گے؟''

''خط میں سب لکھا ہے۔''

دونوں کی نگاہیں ملی۔ ریحان کی آنکھوں میں فکر کی جھلک صاف دکھائی دے رہی تھی۔ زینب کی آنکھوں میں بیتابی تھی۔ ایسا کیا لکھا ہے ممی نے؟ اس نے تعجب بھری نظروں سے دیکھا۔ آنکھوں میں بے یقینی اور تعجب بھرا دیکھ کر ریحان نے کہا۔ ''اچھا میں چلتا ہوں ......اب شادی ہی ٹھیک رہے گی......میری امی اکیلی ہوگئی ہے۔''

شادی کی خبر بھی لایا تو اس طرح۔ اس نے دیکھا ریحان کی آنکھوں میں فکر کی جھلک تھی۔ زینب تو جیسے اندر ہی اندر سلگ گئی۔ اس نے سوچا اس کے ساتھ باہر جا کر کچھ سمجھا سکوں گی۔ یہاں تو کچھ کہہ نہیں پاؤں گی۔ لڑکیوں کو میری شادی کی بھنک لگ گئی تو مصیبت ہوجائے گی۔

''ٹھہرو ریحان میں باہر چلتی ہوں۔''

''نہیں میں چلتا ہوں......پھر کبھی باہر چلیں گے۔'' وہ اٹھ کر کمرے کے باہر نکل گیا۔ وہ اپنے کمرے میں آئی۔ میٹھائی کا ڈبا اور دوپٹا پلنگ پر پھینک کر غصے سے بھری خط پڑھنے لگی۔

پیاری بٹیا زینی،

تمہارے پاپا آگئے ہیں۔ انہیں جلدی ہی جانا ہے اس لیے ہم نے تمہاری شادی اسی مہینے کی بیس تاریخ کو کرنے کا سوچا ہے۔ تم جلدی گھر آجاؤ۔ ریحان کو بھی تمہاری محبت کی ضرورت ہے۔ وقت پر آجانا، شادی کی تیاریاں شروع ہوگئی ہیں۔

تمہاری ممی

اقرا

اتنا بڑا فیصلہ۔ یہ کیسا المیہ ہے......میں کیوں مانوں......ان کا فیصلہ؟

''نہیں کروں گی میں ریحان سے شادی......ایسا انسان جس کے پاس کوئی احساس نہیں ہے......کیا سمجھتا ہے اپنے آپ کو پاپا ممی کسی نے مجھ سے پوچھنے کی ضرورت نہیں سمجھی کہ میں کیا چاہتی ہوں۔اس کی آنکھوں میں بے بسی تھی۔ابھی میری پڑھائی چل رہی ہے۔میرے بارے میں کچھ سوچا ہی نہیں۔وہ بستر پر پڑی سوچتی رہی۔اس کا غصہ بڑھتا گیا۔

آج اسے پھر اپنے اور کاشف کے اوپر بہت غصہ آیا۔میں نڈر بن جاتی تو کیا وہ گھر والوں کی مرضی سے شادی کرسکتا تھا۔

سوچتے سوچتے اس کی سوچ بدلی۔ٹھیک ہے شادی ......گھر والے میری شادی کرنا چاہتے ہیں......کرلوں گی میں شادی......میری زندگی کنارہ پالے گی۔لیکن ریحان کے ساتھ نہیں ......سعد کے ساتھ کروں گی میں شادی۔میں گھر والوں کی بات نہیں مانوں گی۔

دوسرے دن وہ سعد سے ملنے پارک پہنچی۔اس کے ہاتھ میں خط تھما دیا۔

خط کھول کر پڑھنے سے پہلے سعد نے اپنی بڑی بڑی آنکھوں میں پیار بھر کر دیکھا۔اس کی آنکھوں میں ایک سوال بھرا تھا۔سعد کے آنکھوں کی خصوصیت تھی کہ سب کچھ صاف کہہ دیتی تھی۔

زینب آج بڑی بڑی باتیں سوچ کر آئی تھی۔سعد میری زندگی کی ڈور تھام لے گا۔وہ زورشور سے اپنی زندگی میں شامل کرلے گا۔وہ پوری طرح سے فیصلہ کرکے آئی تھی۔میں پیچھے نہیں ہٹوں گی۔ممی پاپا سے صاف کہہ دوں گی۔

لیکن سعد تو خط پڑھ کر کہیں گم ہوگیا۔گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

''زینب میں مجبور ہوں، گھر والوں کے خلاف نہیں جا سکتا۔دو سال پہلے میری منگنی کردی گئی تھی۔......پھر بھی تم کہو تو میں اس لڑکی کا دل توڑ دوں، جس نے منگنی ہوتے ہی مجھے لے کر سپنے سجالی ہے۔''

''اوہ ......تمہارا کیا قصور ......ہر ماں باپ بچوں کی شادی کا فیصلہ کرنے کا حق اپنے ہاتھ میں ہی رکھنا چاہتے ہیں۔......پھر اس لڑکی کا کیا قصور......''

''میڈیکل میں داخلہ ملنے کے بعد ماں باپ کو یقین ہے کہ منگنی کے بعد میں کسی کے محبت کے چکر میں نہیں پھنس سکتا، میری منگنی کردی۔''

''نہیں تم پریشان مت ہو......اس لڑکی کے خواب کو ٹوٹنے مت دینا سعد......''

''میں تمہیں خوشی نہیں دے سکا...... مجھے دکھ ہے۔''

''تم نے مجھے خودکشی کرنے سے بچایا......تم بہت اچھے ہو سعد۔دل تو چاہتا تھا زندگی تمہارے ساتھ بیتتی......میری قسمت میں نہیں......''

سعد نے سوچا چلو اب یہ کہانی ختم ہوئی۔منگنی نہیں ہوئی ہے، خاندان سے جڑا ہوں۔ ان کے فیصلے پر چل کر خوش حال زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔انہیں سکھ دینا ہے۔زینب سوچتی ہے میں اسے بہت چاہتا ہوں...... ہاں چاہتا تھا۔لیکن کیسے بتاؤں کہ کاشف کی وجہ سے میں تمہارے قریب آیا، اس کے نام سے ہی مجھے نفرت ہونے لگی ہے۔اب اسے برداشت نہیں کرسکتا۔اپنی زندگی برباد نہیں کرسکتا۔

''زینب تم کہو تو میں اس لڑکی کا دل توڑ دوں...... منگنی توڑ دوں؟''

''نہیں سعد......نہیں'' اس کا گلا بھر آیا۔کچھ کہنا چاہتے ہوئے بھی الفاظ اس کے منہ سے نکل نہ پائے۔

''اچھا چلتا ہوں کل ملتے ہیں......'' سعد نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''نہیں اب میری زندگی میں کوئی کل نہیں آئے گا۔اب تم بھی کاشف کی طرح...... میری زندگی سے نکل گئے ہو سعد......گزرے ہوئے کل کی طرح......گزرا ہوا کل کبھی واپس نہیں آتا۔

اسے لگا اس کے جسم میں خون کا ایک قطرہ بھی نہیں بچا ہے۔اسے دن دہاڑے ہی کسی نے لوٹ لیا ہے۔وہ دھیرے دھیرے ہاسٹل کے اندر چلی گئی۔اپنے کمرے میں پہنچ کر کٹے پیڑ کی طرح پلنگ پر پڑ کر بلک بلک کر رونے لگی۔اسے لگا کاشف سے زیادہ وہ سعد کو چاہنے لگی تھی۔اپنی امیدوں سے زیادہ ہر دن خود کو فریب دیتی رہی۔

جب بھی سعد اسے حاصل کرنا چاہا وہ انکار نہیں کرپاتی۔آج جب وہ نظرانداز کر گیا تو وہ چپ رہی......کوئی شکایت نہیں کی۔وہ منہ موڑ کر چلا گیا۔

اس کے دماغ کی سب کھڑکیاں جیسے کھل سی گئیں۔ہر کھڑکی پر اسے ریحان نظر آیا وہ جدھر دیکھتی اس طرف ریحان کھڑا کہہ رہا تھا۔''دیکھوں میں نے تمہیں پالیا نا۔'' وہ دلہن بنی بیٹھی ہے اور رشتے دار اس کے چاروں طرف بیٹھے ہیں۔

''نہیں......'' وہ زور سے چیخی۔''اب میں اس جسم کو ریحان کے حوالے کیسے کرسکتی

ہوں؟'' وہ تڑپتی رہی۔

''زندگی محبت کے بغیر راکھ کی ڈھیر ہوتی ہے۔اس راکھ میں چنگاریاں ہوتی ہیں۔ محبت تو زندگی کو روشن کرتی ہے۔لیکن میری زندگی تو محبت کے بغیر اندھیرے میں ہے۔یہ سچ ہے کہ جب تک محبت میں کوئی رکاوٹ نہیں آتی تب تک محبت انسان کی زندگی میں کھلتی بھی نہیں ہے۔وہ خود سے اپنا منہ چھپانا چاہتی تھی۔

کاش! کاشف نہ جاتا......سعد کسی اور کا نہ ہوتا......تو اس کے پہلو میں اس کی محبت یوں ویران نہ ہوتی۔دنیا کا سب سے بڑا مذہب محبت ہے۔جب سب ختم ہو گیا تو اب یہ آندھیاں کیوں؟

آٹھ

گھر پہنچنے کے بعد وہ خاموش رہی۔ وہ بہت اداس تھی۔ ماں نے سکون کی سانس لی کہ وہ وقت پر گھر آ گئی ہے۔ شادی کے لیے منع نہیں کر رہی ہے۔

جیسے مرنے والے کی لاش کو لے کر تدفین کے لیے لے جانے والے لوگ اور اس کے پیچھے رونے والے رشتے دار وقت کے آگے ہار مان لیتے ہیں۔ اس کا بھی یہی حال تھا۔

کاشف سے جدائی والی قیامت جیسی رات تو پہلے ہی گزر چکی تھی۔ ایک کسک تھی جواب بھی آ کر بانہیں تھام لیتا تو اس کے ساتھ دنیا کے اس پار جا سکتی تھی۔ کمرے میں اس کا احساس کرتے ہی اس نے کھڑکیاں کھول دی۔ کھڑکی پر سے پردہ ہٹایا تو دور آسمان میں تارے ٹمٹماتے نظر آئے۔ اپنی زندگی میں محبت کرنے کی بھول کو وہ شدت سے احساس کر رہی تھی۔

اسے پانی کی طلب ہوئی۔ اس کو محسوس ہوا ہونٹ بالکل سوکھ گئے ہیں۔ اس وقت اگر برف جیسا ٹھنڈا پانی ملا تو تڑپتی ہوئی مر جائے گی۔ وہ فریج کے پاس گئی۔ پانی کی بوتل نکالی اور بے صبری سے پینے لگی۔

پانی اس کے گلے کے ساتھ کپڑوں پر بھی گر رہا تھا۔ ٹھنڈے پانی کی لکیر اس کے گلے میں اترتی چلی گئی۔ اسے راحت ملی۔ گلے کے پاس بھیگا ہوا کپڑا ابھی اسے سکون پہنچا رہا تھا۔ وہ واپس پلنگ پر پڑ کر کروٹیں بدلنے لگی۔

وہ لیٹی ہوئی یادوں کے اوراق پلٹتی رہی۔ اس کے کمرے پر نظر پڑتے ہی اس کے منھ سے آہ نکل گئی۔ کاشف کے محبت کی سنہری کرنیں اس پاس بکھرنے لگیں۔ وہ گل مہر کا پیڑ، اس پیڑ کے نیچے بیٹھ کر پہلی بار سورج کا غروب ہوتے دیکھنا۔ سامنے پھیلی سبز دوب پر چہل قدمی کرتے ہوئے پیار کی باتیں کرنا۔ پارک کے باہر چھوٹی سی چائے کی دکان پر کھڑے ہو کر چائے پینا……

سردیوں میں گرم چائے کی گلاس کا دونوں ہاتھ میں پکڑ کر گول گول گھماتے ہوئے چائے پینا۔

سنسان راستوں پر گاڑی دوڑاتے، کبھی خوابوں میں کاشف کی تصویر اور سعد کی تصویر نظر آنے لگتی۔ اسے لگا سہیلیوں کے ساتھ ان کے بارے میں کتنی باتیں کر کے خوش ہوتی تھی...... وہ محبت میں آندھی بھرے لمحے...... سب بھول جانا چاہتی ہوں۔ وہ اپنا سر دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر جیسے درد کم کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

چڑیوں کی چہچہاہٹ کانوں میں گونج اٹھی۔ سرد ہوا صبح ہونے کی خبر دے رہی تھی۔ زینب کی آنکھ کھل گئی۔ وہ اٹھ کر کاشف کی کھڑکی کے سامنے کھڑی ہوگئی۔ دور آسمان میں پرندے اڑتے دکھائی دیے۔

اس نے اپنے لمبے بالوں کو کس کر باندھ لیا۔ صبح ہوگئی تھی لیکن اسے لگ رہا تھا میرے کمرے میں اندھیرا چھایا ہے۔ اس کا دل کر رہا تھا کہ باہر نکل کر ٹھنڈی بہار کو چھو لے۔ کھلی ہوا میں سانس لے۔

پہلے اس کو ہر موسم اچھا لگتا تھا۔ سردی میں چاہتی تھی کہ اس کے کھلے بال ٹھنڈی ہوا میں اڑے اور گھنے لمبے بال اس کے چاروں طرف شال کی طرح لپٹ جائے۔

گرمیوں میں کس کر چوٹی بنا لیتی اور لان میں گھومتی تو کندھے پر پڑی چوٹی لہراتی رہتی۔ برسات میں بالوں سے پانی کی بوندیں ٹپکتیں تو اس کو موتیوں جیسی لگتیں۔

سامنے کاشف کا کمرا دکھائی دے رہا تھا۔ اسے معلوم ہے وہ اپنے پریوار کے ساتھ بیرون ملک گیا ہوا ہے۔ اس کا دل اداس ہوگیا۔ یادوں کی چھتری ہر ایک لمحہ اس پر چھائی رہی۔

وہ نہا کر کپڑے بدلی اور ناشتے کی میز پر آ گی۔ ممی پاپا نے خوشی کا اظہار کیا۔ ناشتہ کر کے وہ لان میں چلی گئی۔ اوپری دکھاوے میں وہ بہت خوش دکھ رہی تھی۔ اندر اس کا دل رو رہا تھا۔ آس پاس سہاونا منظر دیکھ کر وہ مایوس ہوگئی۔ سامنے پیڑ پودھے، ٹہنیوں کی بیل سے گھری اس کی حویلی کا خوبصورت باغیچہ دل کو سکون پہنچا رہا تھا۔

جب بھی پاپا تھوڑے دنوں کے لیے آتے گھر میں خوشی کے ماحول میں بھی ایک دھماکے کی صورت حال بنی رہتی۔ پاپا ممی کو اپنی بات منوانے کی کرتے تو ممی اپنی بات منوانے کے آگے کسی کی نہیں سنتی۔ اس سے اسے بہت تکلیف ہوتی۔ خاموش رہ کر وقت سے سمجھوتا کر لیتی۔

ممی تو پیسوں کے آگے پیار کیا ہوتا ہے جیسے بھول ہی گئی۔ پاپا کے آنے سے ممی کے کئی تقریبات میں رکاوٹ پیدا ہوتی تو جیسے وہ پاگل ہو جاتی۔ ہر وقت کاروبار میں لگے رہنے والے پاپا اس کے معصوم جذبات نہیں سمجھتے۔وہ جانتی ہے ہر جدید کہلانے والے گھروں میں باپ پر بیٹیوں کا ہی راج ہوتا ہے۔ پاپا سے پارٹیوں کے چیک لینا، پاپا سے گاڑی لینا اور گھر میں کوئی بزنس پارٹی ہو تب بھی بیٹیوں کی پسند سے ہی پارٹی کا انتظام کرنا۔

سارے باپ رتبے اور پیسوں سے اپنی بیٹیوں کو آزادی دیتے ہیں۔ان کا سوچنا کہ اس سے ہمارے Status میں چار چاند لگ جاتے ہیں۔ بیٹیاں اپنے ماں باپ کی اس سوچ کا فائدہ اٹھاتی ہیں۔اس نے کبھی ایسا نہیں کیا۔ وہ ان سب باتوں سے دور ہی رہی۔

زینب کو بس ایک خوشی تھی کہ اس کی تعلیم مکمل کرنے کی بات مان لی گئی تھی۔

''دیکھنے میں تو زینب اس رشتے سے خوش لگ رہی ہے پھر بھی بیگم تم معلوم کر لینا وہ کیا چاہتی ہے۔ مانتا ہوں الفت کے گھر میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ ریحان پڑھا لکھا ہے، خاندانی رئیس ہے......لیکن وہ بیوی کو یعنی زینب کو خوش رکھ سکے گا یا نہیں۔ان کے گھر کا ماحول............''

''اُف......آپ تو ہر بات میں بال کی کھال نکالنے بیٹھ جاتے ہیں۔ بہت سے لوگ اپنی بیٹیوں کو وہ کچھ نہیں دیتے جن کی ان کو طلب ہوتی ہے، جن کی وہ Demand کرتی ہیں، نہیں ملتا، پھر بھی لڑکیاں Adjust کر لیتی ہیں۔

''پھر بھی ایک بار......''

''اوہ......ہو......آپ تو بس یونہی پریشان کرنے والی باتیں کرتے ہیں۔کبھی تو عقل پر زور دے کر سوچا سے کون سا گاؤں میں رہنا ہے......Foreign Service میں بھی تو جا سکتا ہے۔''

''الفت کے گھر کا ماحول ......زینب کی طبیعت کو تم اچھی طرح جانتی ہو وہ کسی کی غلامی برداشت نہیں کر پائے گی......ڈر ہے بہت ناز سے پرورش ہوئی ہے زینب کی......دونوں گھروں کے ماحول کا فرق......''

''کچھ نہیں ہوگا ہمارے خاندان کی لڑکیاں سب ایسی ہوتی ہیں۔سب Adjust کر لیتی ہیں۔ پھر زینب نے تو اس شادی سے ایک بار بھی انکار نہیں کیا ہے۔

''ہاں تم ٹھیک کہتی ہو......آج سے ہی شادی کی تیاریاں شروع کر دو۔''

شادی کے دن نزدیک آ گئے ہیں۔ بوا اپنی بیٹیوں کے ساتھ آئی۔ آتے ہی شہلا نے گلے لگتے ہوئے کہا۔ ”بہت مبارک ہو زینب...... تمہیں ریحان بھائی...... لیکن تم نے ہمارے ارشد بھائی کو ٹھکرا کر غلطی کی ہے...... قسم سے پچھتاؤ گی......“ اس کے کہنے کے انداز پر سب ہنسنے لگے۔

گھر میں شادی کی تیاریاں زور شور سے ہو گئی تھیں۔ اقرا کو اپنی دولت، اپنی امیری کی نمائش کرنے کا اس سے اچھا موقع نہیں مل سکتا۔ وہ بڑھ چڑھ کر خرچ کر رہی تھی۔

ممی اسے اپنے ساتھ شادی کی تیاریاں میں لگائے رکھنا چاہتی تھی۔ اقرا اسے ہر چیز جہیز کے طور پر دینا چاہتی تھی۔ پاپا کے بے شمار ملنے والوں کی بھیڑ، ممی کی سہیلیاں اور رشتے داروں کا ہجوم۔

جب وہ دلہن بن کر اسٹیج پر آئی تو جیسے اسے دیکھنے والوں اور سراہنے والوں کا طوفان امڑ پڑا۔ دلہن بنی زینب بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ دولہا بنے ریحان کو دیکھا تو اس کے دل کی حالت کچھ عجیب سی ہو گئی۔ ایک کپکپی سی ہوئی۔ سب کے منہ سے نکلا کتنی خوبصورت جوڑی ہے۔

شور شرابے اور چھوٹی موٹی رسمیں، رسم رواج اور لین دین کے ساتھ اس کا نکاح ریحان سے ہو گیا...... وہ دیکھتی رہ گئی۔

شادی کی بھاری بھرکم جوڑے میں سسرال جانے کو تیار کھڑی تھی۔ شیشے میں دیکھا تو وہ خود کو اجنبی لگی۔ لگا کہ یہ کوئی دوسری ہی زینب ہے۔ اتنا بدل گئی۔ اسے خود پر تعجب ہو رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا یہ بے جان سی خوبصورت گڑیا ہے۔

رخصتی کا وقت آیا۔ وہ رشتے داروں اور ممی سے گلے ملی۔ اب اسے ماں سے الگ ہونے کا احساس ہوا۔ ممبئی سے جودھ پور کا سفر شروع ہوا۔

ریل گاڑی کے سگنل کے ساتھ ہی اس کی زندگی کا راستہ بدل گیا۔ گھر والوں اور سہیلیوں سے الگ اس کا وجود نیا ادراک لیے نئے راستے پر چل پڑی۔

پاپا کی آنکھیں بھری ہوئی لگیں۔ ماں باپ کو جیسے اطمینان ہے کہ انہوں نے اپنی ذمے داری نبھالی ہے۔ دنیا بھر کے ماں باپ بیٹیوں کو پوری ذمے داری کے ساتھ پال پوس کر کتنی خوشی کے ساتھ پرائے لوگوں کے حوالے کر دیتے ہیں۔ جودھ پور پہنچنے کے بعد شروع ہوا پھولوں سے سجی گاڑی سے رانی گڑھ کا لمبا سفر۔ دولہا دلہن کے ساتھ بڑی بہن اور بہنوئی گاڑی میں ساتھ بیٹھے

تھے۔تکان سے چور زینب کا دل ہوا ریحان اپنے ہاتھ کا سہارا دے کر کہے ''میرے ہاتھ پر سر رکھ کر سو جاؤ''، لیکن ایسا نہیں ہوا۔

کسی طرح یہ لمبا سفر ختم ہوا۔ وہ سسرال پہنچ گئی۔ دلہن کو لے کر باراتی لوٹ آئے ہیں۔خبر پاتے ہی عورتیں حویلی کے دروازے پر جمع ہونے لگیں۔ڈھول باجے کا شور ہونے لگا۔حویلی کی چھت عورتوں اورلڑکیوں سے بھرگئی۔ دروازے پر گاڑیوں کا گروہ تھا۔ہال میں دلہن کے بیٹھتے ہی الفت خالا عورتوں سے ملانے لگی۔

''زینب یہ تمہاری چاچی ساس ہے سلام کرو۔...... یہ میری جیٹھانی ہے ان کو سلام کرو۔'' باری باری سب سے ملواتی رہی اور وہ چابی کی گڑیا کی طرح سلام کرتی رہی۔

''واہ الفت باجی دلہن تو آپ چاند جیسی لائی ہیں۔''

''کیوں بھئی میرا بیٹا کیا کسی سے کم ہے؟''

''ہاں بھئی تمہاری تو چاندی ہی چاندی ہے اب تو...... جیسا تم چاہتی تھی ویسی ہی تمہاری بہن نے شادی کی ہے۔''

''کروڑ پتی بہن ہے میری...... اکلوتی وارث ہے میری بہو......''

''جہیز...... گاڑی سب کچھ بہت اچھا دیا ہے۔'' سب کے منھ سے نکل رہا تھا۔

''ہاں میری بہن نے بہت اچھا دیا ہے اور آگے بھی بہت اچھا دیتی رہے گی......''

''ارے بھئی بہن کو کہہ کر بیٹے کے لیے فیکٹری بنوالو......''

''کہنے بھر کی ہی دیری ہے......'' وہ بڑے فخر سے سب کے سامنے بہن کے امیر ہونے کی بات بتا رہی تھی۔

زینب کو لگا الفت خالا کے دل میں پیار نہیں صرف پیسے سے ہی محبت ہے۔حویلی کے آنگن اور برآمدے میں عورتوں کا ایسا جمگھٹ تھا کہ بھیڑ سی لگ رہی تھی۔الفت خالا کے سسرال والے خود ان کی پانچ بیٹیاں، نندیں، نندوں کے خاندان والے، دیور، جیٹھانی ان کے خاندان والے رشتے داروں کی بیٹی داماد اور خود کی تین بہوؤں کے خاندان والے سب آئے ہوئے تھے۔

وہ لوگ کوئی کام نہیں کرتے لیکن آواز کی حیرانی اور چہرے کی مصروفیت کے اظہار سے ایسا لگتا جیسے سارے انتظام کی ذمے داری ان پر ہی ہے۔اکیلی الفت خالا کی نظر حویلی کے ہر

کونے پر تھی۔ سب سے مسکرا کر باتیں کرتی اور بغیر صبر و تحمل کے نوکروں اور کام والی بائیوں کو ہدایات دے رہی تھیں۔ انو باجی ریحان کی بڑی بہن چاروں طرف گھوم گھوم کر ضرورتیں پوری کر رہی تھیں۔

امیر گھر سے تعلق بنا ہے۔ سب کو تحفے اور کپڑے قیمتی ملے۔ اب خوش نظر آ رہے ہیں۔ ہر طرح سے سبھی مطمئن ہیں۔

سہاگ رات ...... پورا کمرا خوشبو سے مہک رہا تھا۔ لال تاج گلاب کی نیم کھلی کلیوں سے پورا کمرا سجانے کے ساتھ ساتھ پرفیوم سے مہکا دیا تھا۔ پلنگ پر نیا بستر تھا۔ بستر پر پھولوں کی پنکھڑیاں بچھائی گئی تھیں۔ کمرا بھینی بھینی خوشبو سے مہک رہا تھا۔ کمرے کا ماحول منشیات جیسا تھا۔ وہ سب دیکھ کر ایک بار اسے کاشف اور غزالہ کی یاد آ گئی، ان کے سہاگ کا بستر بھی ایسا ہی رہا ہوگا۔ ان کی خوبصورت ملاقات کے تصور میں ڈوب گئی۔

ہنسی مذاق کرتی ریحان کہ بہنیں ایک بار پھر آ گئی۔ وہ اپنے تصور سے باہر آئی۔ عورتوں کے دلوں میں الگ الگ احساس تھے۔ بالغ، بوڑھی اور جوان سبھی عورتوں کے من میں پرانی یادیں تازہ ہوگئی تھیں۔ چھوٹی لڑکیوں کے دل میں بیتابی تھی۔ تھوڑی دیر بعد سب چلی گئیں۔

وہ سہاگ کی سیج پر ساکت ہو کر اکیلی بیٹھی تھی۔ آج اس کی زندگی ایک نیا رخ لینے جاری ہے۔ ایک پوشیدہ خدشہ سے اس کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔ وہ شادی کے وقت اپنی قسمت سے مطمئن نہیں تھی۔ وہ خود نہ خوش تھی نہ دکھی۔

ریحان کے لیے عجیب سا احساس تھا۔ اس کے من کی گہرائی میں اپنے سرتاج کے ساتھ زندگی گزارنے کی خواہش تھی۔ ان سبھی دھاگوں کو سلجھانا چاہتی تھی۔ اس کے جگر کے تاروں میں ایک عجیب سی جھنکار اٹھنے لگی۔ پھر سعد کے تعلق کا اداس ماحول یاد آ گیا۔ اب سہاگ رات ریحان کے ساتھ...... اسے گھبراہٹ ہوئی۔ پھر اس کے ہونٹوں پر ایک اداس مسکان پھیل گئی۔

اس نے سارے احساس کو ایک طرف جھٹک دیا...... مجھے یاد رکھنا ہے صرف ریحان......

اچانک ریحان کو اپنے پاس کھڑا پا کر چونک گئی۔ اس کے دل میں عجیب سی ہلچل ہوئی۔

ریحان نے پاس بیٹھتے ہی اپنی جیب سے روپئے نکال کر دیتے ہوئے کہا "یہ لو تمہاری مہر کی رقم" روپے پاس رکھتے ہی اسے بانہوں میں بھر لیا۔ ریحان کے ہاتھ حرکتیں کرنے

لگے۔ان حرکتوں کے ساتھ کچھ حکم بھی تھے۔وہ سنبھل ہی نہیں پائی ...... کچھ سمجھ میں آیا کچھ نہیں......وہ حکم کی تعمیل کرتی رہی۔

وہ خود کو جتنا قابو میں کرنے کی کوشش کرتی اس سے زیادہ بکھر رہی تھی۔وہ اندر سے مجبور ہرن کی طرح چھٹپٹا رہی تھی۔اس نے تو صرف اپنی خواہش پوری کرنے سے مطلب رکھا، ریحان نے اس کے کومل احساس کی کوئی پرواہ نہیں کی۔

''مجھے نیند آرہی ہے......تم بھی تھکی ہو آرام کرلو......سو جاؤ صبح جلدی اٹھنا ہے۔''

سب کچھ امید کے برعکس ہوا۔ریحان سے اسے دوستی کی امید تھی۔پر اس کے رویے نے تو مالکانا حق جتایا۔اسے لگا جیسے میں خرید کر لائی گئی لونڈی ہوں۔

زینب کے لیے یہ رات بد سے بدتر نہیں رہی۔ٹپ ٹپ آنسو تکیہ بھگونے لگے۔ریحان تو سکون کی نیند سو گیا لیکن وہ پوری رات نیند کے لیے ترستی رہی۔

صبح ہونے کو تھی۔دروازے پر دستک ہوئی۔اس نے گھڑی دیکھی۔صبح کے پانچ بج گئے ہیں۔اتنی صبح اٹھنا پڑے گا، جب کہ اب نیند آنے لگی تھی۔پورا جسم درد کر رہا تھا۔وہ تھوڑا آرام کرنا چاہتی تھی۔

دروازہ کھولی۔سامنے بڑی نند کھڑی تھی۔

''بھابھی جلدی سے نہا کر نماز پڑھ لو......'' وہ حکم دے گئی۔

وہ اپنے کپڑے لے کر نہانے گئی۔نہا کر آئی ریحان کو گہری نیند سوتے دیکھا تو سوچا شادی کی تھکاوٹ کی وجہ سے گہری نیند سو رہے ہیں۔جب نیند غائب ہو گی تب شاید انہیں میرا خیال آئے گا۔رات کا رویہ بھی شاید تکان کی وجہ سے ہی ایسا رہا ہو۔

''بے صبرا انسان......'' اس خیال کی دھڑکن کے ساتھ ہی ایک گہری مسکان اس کے ہونٹوں پر پھیل گئی۔وہ قریب کھڑی اسے پیار سے دیکھ رہی تھی۔

''ارے زینب اسے سونے دے......تو باہر آجا۔'' الفت خالا نے اسے بلایا۔

ناشتہ کرتے ہوئے ریحان سے زینب کی نظر ملی تو اسے لگا اس کی آنکھوں میں ایک جیت کا احساس ہے۔

الفت خالا کا اسے کیسے گھر والوں کے سامنے اٹھنا بیٹھنا ہے، سر پر دوپٹا رکھنا ہے......

ریحان کے بڑے بھائیوں کے سامنے گھونگھٹ نہیں لے گی تو سامنے بھی نہیں جانا ہے...... کبھی نند تو کبھی ساس اسے سمجھاتی رہی۔ اسے لگا جیسے آج تک تو میں جنگل میں رہتی آئی تھی ...... بے وقوفی کرتی آئی ہوں۔ اس لیے مجھے سلیقہ سکھایا جا رہا ہے۔ میں کس ماحول سے آئی ہوں ان سب کو معلوم تو ہے، پھر بھی سب مل کر مجھے بدلنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کئی مرتبہ اسے من ہی من غصہ آیا اور کئی بار ہنسی آئی۔

دوسرے دن شام کو اقرا آ گئی۔ دور دور سے مہمان آئیں گے۔ اس لیے دو دن بعد ولیمے کی دعوت رکھی گئی ہے۔ اس نے سوچا ممی مجھے دیکھتے ہی سینے سے لگا کر رو پڑے گی۔ وہ ممی کے پیار کی پیاسی اس کے سینے سے جا لگی۔

''او کے ..... او کے ..... بیٹا'' اقرا نے خوشی سے کہا۔ ''آر ..... یو ..... او کے ..... تم یہاں خوش ہو، مجھے معلوم ہے۔''

اچانک اسے لگا ممی تو عجیب ہے۔ ہاسٹل میں رہ کر بھی میں ماں کے پیار میں پاگل رہی۔ دنیا کہتی ہے لڑکی کی قسمت سسرال جانے پر ہی معلوم ہوتی ہے۔ خدا جانے کیسی زندگی ملے گی۔ پہلے ہاسٹل میں انہیں میرا بھلا نظر آیا اور اب سسرال میں دیکھ کر ممی بے فکر ہو گئی ہے کہ میں بہت قسمت والی ہوں۔ اب انہیں سسرال میں میرا سکھ نظر آ رہا ہے۔ اب ان سے کیا کہوں؟

سب سے زیادہ خوشی ممی کو ہے کہ میں نے اپنا سب کچھ ایک دم بدل لیا ہے۔ ہم لڑکیاں ہو جاتی ہیں اتنا بزدل یا رسمی کہ پرائے گھر میں جاتے ہی اسے اپنا کر اسی ماحول میں خود کو ڈھال لیتی ہیں۔

اب زینب نے سوچا میں نئے دھاگوں کی چادر بننا چاہتی ہوں۔ جو گزر گیا سو گزر گیا۔ ایک تہیہ تھا جو اس کے دل کو ماضی کے بندھنوں سے آزاد کرانے کی کوشش تھی۔ وہ سمجھ گئی کہ وہ ایک ایسے گھر میں آ گئی ہے۔ جہاں کے طور طریقے اس کے ماں کے گھر سے بالکل الگ ہے۔ وہاں نظم و ضبط تھا۔ سبھی کام ایک خاص طریقے سے ہوتے ہیں ...... کچھ آبرو سے بندھے جن سے اختلاف ان کے والد بھی نہیں کر سکتے تھے۔

کھانا بنانے والا کریم، گھڑی کے ساتھ کھانے کی میز پر کھانا لگاتا تھا۔ حویلی کی صفائی کے لیے جمیلہ اور خیر النسا مستقل طور سے لگی تھیں۔ دن بھر ہر ایک چیز کو چمکاتی رہتیں۔ گاڑی کے

لیے ڈرائیور، گیٹ پر سکورٹی، بازار کا کام بشیر کرتا۔ کہیں کوئی لاپرواہی نہیں۔

یہاں کی صورت حال برعکس ہے۔ یہاں صرف الفت کی حکومت ہے۔ شوہر ڈاکٹر ......انجینئر، افسر بیٹوں کو ایک ہی چھڑی سے ہانکتی تھی۔ کوئی اف تک نہیں کر سکتا تھا۔ بیٹیوں کے لیے ہر کام ممنوع تھے۔ تینوں بہوؤں کو اپنے حکم پر لٹو کی طرح گھماتی۔ سامنے کسی کی کوئی ہمت نہیں ہوتی لیکن پیچھے سے تینوں بہوئیں مذاق بناتیں۔

ایک کموں ہی ایسی تھی جو اکیلی اس حویلی کی صفائی سے لے کر بازار تک کا ہر کام منٹو میں نمٹا لیتی۔ زیادہ تر اپنے اپنے کاموں کو خود کرنے پڑتے تھے۔ اپنے شوہروں کی خدمت کرنا ان کا دھرم تھا۔ ان کے کپڑوں کی دیکھ بھال، جوتوں کو پالش کرنا، ان کا کھانا اور ان کی پسند کا انہیں پورا خیال رکھنا ہوتا، بڑی بہوئیں سیما، یاسمین اور حمیدہ پر رسوئی میں کھانا پکانے کی ذمے داری تھی۔ ان سب پر حکومت تھی بڑی نند انم کی۔ اسے پانچ سال ہو گئے 'پیہار' میں رہتے شوہر سے کبھی بنی نہیں، پہلے بیٹے کی پیدائش کے وقت سسرال بھیجی گئی......دوبارہ سسرال کبھی نہیں بلائی گئی۔

گھر والوں اور مہمانوں کی خدمت اس کے ذمے تھی۔ انم ہی ایسی تھی کہ پوری حویلی اس کے اشاروں پر چلتی۔ الفت خالا چپل پھٹر پھٹر گھسیٹتی پوری حویلی کا چکر لگا کر برآمدے میں بڑے تخت پر پسر جاتی۔ موٹاپا اسے زیادہ چلنے نہیں دیتا لیکن اس کی نظر پوری حویلی میں گھومتی رہتی۔ دن بھر پڑوس کی عورتوں کا جمگھٹ رہتا۔ انہیں پان کھلاتی، پورے گاؤں کی خبر لیتی۔ دھوبن، مہترانی یا کھیتوں میں کام کرنے والی عورتیں بھی تھوڑی دیر رک کر اپنا دکھ درد الفت کو بتاتیں اور وہ ان کی مرضی کے مطابق صلاح دیتی یا حوصلہ افزائی کرتی۔

اس کی تینوں جیٹھانیاں اس ماحول میں بہت خوش تھیں۔ گھر کا کام نمٹا کر گپ شپ کرنے بیٹھ جاتیں۔

پھیری والی عورتوں سے سرما، کاجل، پاؤڈر نیل پالش، مہندی اور چوڑی ہر طرح کی چیزیں خریدتی رہتیں۔ سائیکل پر امام الدین پان دینے آتا، وہ بھی سب سے گپ شپ کرتا۔

دوپہر میں گپ بازی میں لگی ان کے ہنسی مذاق بہت ہی پھوہڑ ہوتے۔ شوہر بیوی کی تنہائی کی باتیں ہوتی یا آس پاس پڑوس کی محبت کی کہانیاں، ٹی وی میں ناچ گانوں کے مناظر پر چرچے ہوتے۔

دو دن ہی میں زینب اس حویلی کی زندگی سے پوری طرح واقف ہوگئی۔شادی سے پہلے کبھی اس نے ایسی امید بھی نہیں کی تھی کہ اسے ایسی زندگی ملے گی۔ایک رات میں ہی ریحان کے رویے سے اسے لگنے لگا مجھ سے محبت نہیں بلکہ اپنے آپ سے محبت کرتا ہے۔خودغرض،اپنے میں خوش رہنے والا،یہ ویسا نہیں جیسا اس نے سوچا تھا۔

''زینب ذرا میرے جوتے پہ پالش کر دو......جلدی مجھے جانا ہے۔'' ریحان نے بال سنوارتے ہوئے کہا،وہ چونک گئی۔اسے لگا جیسے وہ اچانک جگا دی گئی ہو۔وہ حیرت سے منہ اٹھا کر شوہر کو دیکھتی رہ گئی۔

''ارے اٹھو مجھے دیر ہو رہی ہے،میرے جوتے پالش کر کے دو......''

اسے یوں لگا جیسے وہ اس کی بیوی نہیں نوکرانی ہے۔کہاں اقرا کی اکلوتی بیٹی جس نے ہاسٹل میں یا گھر میں کبھی کوئی کام نہیں کیا،اپنے ہی جوتے کبھی پالش نہیں کیے،اسے جوتے پالش کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے وہ بھی شادی کے دوسرے دن ہی......اس نے تعجب سے شوہر کو دیکھتے ہوئے کہا۔''تمہیں معلوم ہے ریحان مجھے پالش کرنے نہیں آتا۔''

''واٹ......اس کا مطلب ہے تمہیں گھر کے چھوٹے موٹے کام بھی کرنے نہیں آتے۔اس نے بہت مایوسی سے بیوی کو دیکھا۔وہ بیوی جو افسراسی لگ رہی تھی۔سجی سنوری خوبصورت بیوی کا کیا کروں؟اسے اس کی خوبصورتی پر افسوس ہوا،جو بیوی شوہر کا چھوٹا موٹا کام نہیں کر سکتی،وہ کس کام کی۔

''ہاں مجھے کوئی کام نہیں آتا......سوچا تھا پڑھائی پوری کرنے کے بعد سب سیکھ لوں گی۔''

''لیکن زینب مجھے خوبصورت ڈیکوریشن پیس کی ضرورت نہیں،ایک بیوی کی ضرورت ہے۔مانا کہ تم امیر باپ کی بیٹی ہو......لیکن میں ہمیشہ چاہوں گا کہ میری بیوی ہی میرا ہر کام کرے......میں پچھتا رہا ہوں،میں نے صرف تمہاری خوبصورتی کو ہی دیکھا......اب کیا میرا سب کام مجھے ہی کرنا پڑے گا......میں دنیا میں ہنسنے کی وجہ بنوں گا؟''

ریحان کی باتوں میں طنز تھا۔مگر زینب کا گلا سوکھنے لگا۔شادی کے ابتدائی دن رنگوں اور پیار محبت کی باتیں کرنے کے دن......لیکن ریحان کی باتیں......اس کی سوچ بالکل دقیانوسی ہے۔

''میں نے کہا نہ سب کچھ سیکھ لوں گی، تب تک نوکر یہ کام کر سکتا ہے۔'' اس کی آواز میں درد تھا، غصہ تھا۔

''میری ماں سے اتنی بڑی غلطی ہو گئی، جو تمہاری دیوانی ہو گئی...... کیا میری بات غلط ہے...... کیا میری مانگ غلط ہے۔ میں تمہارا شوہر ہوں اور اب تمہیں زندگی میری مرضی کے مطابق گزارنی ہو گی، سمجھی تم۔''

وہ اپنے آپ کو مرد ثابت کرنا چاہتا ہے۔ عورت پر حکومت کرنے والا مرد۔ ہر لمحہ اپنے آپ کو اونچی جگہ پر دیکھنے کا عادی۔ وہ خوبصورت امیر بیوی چاہتا تھا لیکن گھر میں ہندوستانی طور طریقے کی بیوی چاہتا تھا۔

ریحان اس گھرانے کے تعلق رکھتا ہے جہاں سب بیٹے کی حیثیت کو بیٹی سے زیادہ مانتے ہیں۔ لڑکے کے دماغ میں ایک بات بھر دیتے ہیں کہ وہ مرد ہے اور مرد تو دنیا کو چلانے والا ہوتا ہے۔ اس سوچ کے ساتھ جوان ہوتے ہوتے لڑکے پڑوسن، ماما، مومانی، چاچا، بوا، دھوبن، مہترانی، سب کی لڑکیاں ان کے لیے حلال ہوتی ہیں۔ ان کو کوئی نہیں سمجھاتا کہ بیٹا عورت کی عزت کرنا تیرا دھرم ہے۔

لڑکے کو سب حوصلہ دیتے ہیں اور لڑکیوں کو پاک دامن رہنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ ان کو صرف ایک مرد کا منھ دیکھنا ہے اور وہ بھی شادی کے بعد۔ لڑکوں کو پوری آزادی، کسی بھی لڑکی کو اپنے جال میں پھنسانا اور اس کا بیڑا غرق کرنے کے بعد معافی۔ اس لیے وہ عورت کو کھلونا سمجھتے ہیں اور اس کے وجود کو پیر کی جوتی سمجھتے ہیں۔

زینب کے ارمانوں پر اوس پڑ گئی۔ زینب کا ایک دن میں ہی سارے ماحول سے من اکتا گیا۔ اسے وہ شخص اجنبی سا لگنے لگا۔ اس کا دل چاہا کہ جلد سے جلد یہاں سے چلی جائے۔

''ممی میں آپ کے ساتھ چل سکتی ہوں نہ؟''

''ایک بار تو ریتی رواتج کے مطابق تم میرے ساتھ ہی چلو گی، پر کیا تمہارا یہاں دل نہیں لگا...... اب تو تمہیں یہیں رہنے کے عادت ڈالنی ہو گی۔''

زینب ماں کے گلے لگ کر رونا شروع کیا تو جیسے چپ ہونا بھول گئی۔ برسوں کا رونا آج ہی پورا ہو رہا ہے۔

''اچھا بتاؤ الفت کا رویہ تمہارے ساتھ اچھا ہے...... ریحان تو تمہیں بہت چاہتا ہے نہ؟ میں مانتی ہوں یہاں کا ماحول تمہارے لیے نیا ہے...... کچھ دن بعد اچھا لگنے لگے گا...... ہر لڑکی کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے۔''

اس نے ماں کو کچھ نہیں بتایا۔ ساری پریشانیوں کو اپنے اندر جذب کرلی، ماں کو پریشان کرنا اسے بہتر نہیں لگا۔

''بس ممی آپ کے لیے اداس ہوگئی تھی۔'' ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''مائی سویٹ ......اپنے آپ کو سنبھالو سب عادت ہو جائے گی۔''

''ہاں سب ٹھیک ہو جائے گا......بس میں آپ کو اور پاپا کو بہت مس کر رہی تھی'' اقرا اتنے میں ہی خوش ہوگئی۔

وہ اپنی جیٹھانیوں کے پاس جا کر بیٹھی تو اسے خاموش دیکھ کر یاسمین نے کہا ''جوڑی اچھی ہے لیکن لگتا ہے بے چارے کرشن کو رادھا کے پیچھے دوڑتے پھرنا ہے اور رادھا آنکھ اٹھا کر بھی کرشن کو چارہ نہیں ڈالتی ......خوبصورت جو ہے......لیکن یہ تو پتھر کی مورتی ہے...... بے چارے کو تڑپنے کے لیے اکیلا چھوڑ دیا، آج ہی گھر سے باہر نکال دیا۔''

اقرا اپنے رشتے داروں کے ساتھ بیٹھی اپنی امیری کی کہانیاں سنا رہی تھی۔ الفت اس کی ہاں میں ہاں ملا رہی تھی۔ آج ولیمے کی دعوت ہے، خوب تیاریاں کی جا رہی ہیں۔ زینب کو لگا رات جیسے تیسے ریحان کے ساتھ بیت جائے گی پھر کچھ دنوں کے لیے میں گھر، پھر ہاسٹل چلی جاؤں گی۔''

دوسرے دن ماں کے ساتھ روانہ ہونے لگی تو ریحان نے حکم بھرے لفظوں میں کہا

''دیکھو زینب ابھی تمہاری چھٹیاں ہیں، تمہیں چار دن بعد ہی یہاں واپس آنا ہے۔''

''نہیں اس کے پاپا کے جانے کے بعد یہ واپس آئے گی۔'' اقرا نے کہا تو الفت نے بات مان لی۔

''اب جا رہی ہو تو گھر کا کچھ کام تو سیکھ ہی لینا......نہیں تو میری بھابھیوں کے سامنے عزت چلی جائے گی۔'' ریحان نے کہا۔

''بھاڑ میں جائیں آپ کی بھابھیاں ......اگر مجھ سے نوکروں کا ہی کام لینا تھا تو کسی

نوکرانی سے شادی کرلی ہوتی۔'' وہ من ہی من بولی، واضح طور سے کچھ نہیں بولی۔

اس نے سوچا جو ہوگا دیکھا جائے گا۔اب آنسو بہا لینے سے مسئلے کا حل نہیں نکلے گا۔اپنی ممی کو بھی اپنی پریشانی نہیں بتاسکتی۔اپنے بے بسی پر اس کا دل بھر آیا۔

''کاش......اس کے بھولے چہرے کے پیچھے اس کا غرور بھرا دل دیکھ پاتی۔''

اس کے لوٹ آنے کی خبر پھیلتے ہی شہلا، نغمہ، رما، اور وینا سبھی ملنے آگئیں۔کئی لوگوں کے فون آتے رہے۔

وہ سوچ رہی تھی ممی کو اگر مجھے ایسے ماحول ہی میں بھیجنا تھا تو پہلے میرے پر کاٹ دیتی۔ مجھے کھلی ہوا میں اڑنے کی عادت کیوں ڈالی؟ ایک آزاد چڑیا کو پنجرے میں بندر کھنے والے صیاد کے حوالے کیوں کر دیا۔اس کی حالت دیکھ کر نوکروں نے سمجھ لیا یہ شادی ٹھیک نہیں رہی۔سب کی ہمدرد اور چنچل لڑکی کے مستقبل کے بارے میں سوچ کر دکھی تھے۔تنخواہ کے علاوہ نوکروں کی مدد کرنا۔ممی کی ڈانٹ کے بعد ان کا اترا ہوا چہرا دیکھ کر زینب انہیں ہنسانے کی کوشش کرتی۔

وہ پارک میں بیٹھی تھی۔مالی نے پودھوں کو پانی پلایا تھا۔پتوں پر ٹھہری پانی کی بوندوں سے کھیلتی رہی۔

وہ سوچ رہی تھی نکاح کے دو بول دو اجنبیوں کو قریب لا دیتا ہے۔میں نے ممی پاپا کی پسند سے شادی کر لی۔وہ میری ایک ضرورت تھی۔شادی نہیں بھی کرتی تو میں اپنی تعلیم پوری کر کے لوگوں کی خدمت میں لگ جاتی۔

ماں باپ کے ارمان مجھے ہی تو پورے کرنے ہیں۔یہ سوچ کر میں نے شادی کر لی اور اب اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔یہ انسان میری روح کو چوٹ پہنچا رہا ہے ایسا کیوں؟ کیا میری خوبصورتی اسے اچھی نہیں لگ رہی ہے۔مجھ سے نفرت ہے یا جائداد کا لالچ؟ زینب کو ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ ایک گہرے گڑھے میں گر گئی ہے۔کوئی اسے کھائی میں دھکیل کر اپنے ساتھ چلنے پر مجبور کر رہا ہے۔کبھی لگتا وہ گہری نیند میں سوئی ہے اور وہ اسے جھنجھوڑ رہا ہے۔جیسے وہ گہری نیند میں ہوتے ہوئے بھی نہ سوئی ہے نہ جاگی ہے۔

وہ عجیب کشمکش سے گزر رہی تھی۔رات دن وہ خود کو مصروف رکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ممی پاپا سے الگ غم چھپانے کی بھرپور کوشش کرتی۔وہ نہیں چاہتی اب ممی پاپا کو کوئی تکلیف

پہنچے۔ آخر میں ان کی اکلیوتی اولاد ہوں۔ اولاد کی تکلیف انہیں برداشت نہیں ہوگی۔ وہ خود حیران تھی، میں نے شادی کیسے کرلی۔ صرف ماں کو خوشی دینے کے لیے۔ ہاں میں ممی پاپا کو بہت چاہتی ہوں۔

یہ دھیمی دھیمی آنچ کیا ہے، جو میرے دل کو جلا رہی ہے؟ یہ دھواں کیسا ہے، جو تنہا ہوتے ہی میرے خیالوں پر چھا جاتا ہے۔ اس دوران ریحان اس سے ملنے آگیا تھا۔ وہ طبیعت ٹھیک نہیں ہے کہہ کر سسرال نہیں گئی۔

چھٹیاں ختم ہوئی، وہ واپس ہاسٹل آ گئی۔

''ارے کیا ہوا زینب......؟ نہ ہو شوخی نہ وہ چنچل پن......''

کالج میں سب کو تعجب ہوا۔

مسکراتی آنکھوں سے دیکھتی سب کو جواب دے رہی تھی۔ ''ارے کچھ نہیں یار...... مجھے تیسرے عشق کا ڈپریشن ہو گیا ہے۔''

''کیسے؟''

''یہی بات تو سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔''

''تو اب پڑھائی کا کیا ہوگا میری جان......؟''

''پڑھنا ہے اور دل لگا کر پڑھنا ہے، نہیں تو ناؤ ڈوب جائے گی۔''

''تو تو سب لڑکیوں کو سمجھاتی تھی ......اور اب خود ہار رہی ہے۔ لڑکیاں سمجھ گئیں۔'' کاشف سے شادی نہ ہونے کا غم ہے۔

ایک مہینے میں ہی زینب خود سے ہار گئی۔ ریحان اسے بہت چاہتا ہے۔ اس کے عشق میں جنون ہے۔ ایک لمحے میں تولا ایک لمحے ہی میں ماشا۔ محبت میں وہ بیحد خود غرض ہو جاتا ہے۔

ایک دن سعد کے کہنے سے وینا اسے کیفے لے آئی۔ کیفے میں اسے لگا کاشف اس کے سامنے بار بار آ کھڑا ہوتا ہے۔ پھر اسے سعد آتا ہوا دکھائی دیا۔ اس کے اندر غصے کی لہر اٹھی۔

وہ اٹھ کر چل دی۔ اسے لگا اب یہ میرا دوست نہیں۔ وہ خوب ٹھگی گئی۔ جب مجھے اس کی ضرورت تھی تب یہ چھوڑ کر چلا گیا۔ اب مجھے اپنی پڑھائی پوری کرنی ہے۔ اپنی زندگی بنانی ہے۔

پتھر کے ساتھ موم......شادی نبھانی ہے اور اپنی زندگی مجھے سنوارنی ہے۔

امتحان ختم ہوئے۔ ریحان لینے آ گیا۔ ماں کے گھر بھی میں اپنی مرضی سے نہیں

جاسکتی۔وہ ماضی کے اوراق پلٹنے لگی۔اس کی آنکھوں کے سامنے اس کا پورا بچپن گھوم گیا۔اس گھر کی چھت کے نیچے بچپن پلا۔چھوٹی چھوٹی بات پر ماں باپ خوش ہوتے تھے۔چاہے نوکرانی اس کا سب کام کرتی لیکن اس کی ہر بات پر ماں خوش ہوتی تھی۔وہ روکر کے،ضد کر کے ماں کی گود میں چڑھی رہتی تھی۔پاپا جب بھی آتے ایک بار ساتھ لے جا کر ڈھیر سارے کھلونے دلاتے۔وہ ممی پاپا کی دیوانی تھی۔تھوڑی بڑی ہوتے ہی ہاسٹل میں بھیج دی گئی مگر ماں باپ کے لیے تڑپتی رہی۔کس طرح اس کے خواب جوان ہوئے۔ماں باپ اس سے جتنا دور ہوتے گئے وہ اس گھر سے جڑتی گئی۔گھر کی ایک ایک اینٹ سے اسے پیار تھا۔جتنا ماضی یاد آرہا تھا وہ اتنا بے چین ہوتی گئی۔

بچپن سے بالغ ہونے تک کی زندگی سونے کی طرح میں نے کیسے گزاری۔وہ سوچ رہی تھی۔شادی......عورت اسی دن اپنی زندگی کی پوری خوشی کو حاصل کرنے کی سمت میں قدم بڑھاتی ہے۔

ماں باپ جو بغیر خودغرضی کے بیٹی کی دیکھ بھال کرتے ہیں اور اتھاہ پیار سے پال پوس کر کسی دوسرے کے حوالے کر دیتے ہیں۔بے غرض پیار کو بیٹی کیسے بھول سکتی ہے۔زینب کا دل اس گھر کے لیے اندر ہی اندر تڑپنے لگا۔اسے لگا اس پیار کے جوار کو روک نہیں پائے گی۔

''کیا ابھی سے گھر کی یاد آرہی ہے...... اتنی اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے بھی تمہاری یہ گنواروں جیسی سوچ ہے۔ماں کے گھر تھوڑے دن بعد بھی جا سکتی ہو......اب تو بس تمہیں اپنے شوہر کے بارے میں ہی سوچنا ہے۔'' ریحان نے کہا۔

☆☆

نو

وہ سسرال پہنچ گئی۔ بھاری قدموں سے ایک عجیب سی خوشبو بھرے بھونکے کے ساتھ آنگن سے دروازے تک اور دروازے سے کمرے میں داخل ہوئی۔لوبان اوراگربتی کی خوشبو سے کمرا مہک رہا تھا۔اسے لگا ایک بار گھر سے نکال کر ہمیشہ کے لیے اسے قبر میں ڈال دیا گیا ہے۔پوری حویلی میں مرغا پکنےاور بہترین کھانے پکنے کی مہک پھیل رہی تھی۔

دوسرے دن دوپہر میں اچانک شور سے اس کی نیندٹوٹ گئی۔باہرآ کر دیکھا بڑی نندانم اور سیما بھابھی میں لڑائی ہورہی ہے۔الفت خالاکسی پڑوسی کے گھر ماتم میں گئی ہیں۔

''اے بی بی تم میں کچھ تو عیب ہوگا،تبھی تو میاں جی نے دودھ میں پڑی مکھی کی طرح نکال پھینکا...... بیوی بچوں کی خبرنہیں لیتا......سانڈ جیسا آدمی ...... پیدا کر کے اولاد ہمارے اوپر چھوڑ دیا......اب کون سے جاگیر دار بیٹھا ہے،جوان کے بچوں کو پالے۔''

''میرے ابو پر مت جاؤ......مر گئےتو کیا......لاکھوں کی جائداد چھوڑ گئے ہیں۔باپ کا دیا کھاتی ہوں......تمہارے باپ کا نہیں۔''

شوہرنہیں بلاتا وہ کیسے جائے؟اس سے پہلے بھی ایک عورت سے تعلق بنا رکھے تھے،سنا ہے دوسری شادی بھی کر لی۔ بہت بڑا کاروباری ہے۔ بھابھی طعنے دیتی ہے وہ زہر کا گھونٹ پی کر رہ جاتی ہے۔دن رات طعنے سن کراس کے دل کا سکون بھی ختم ہوجاتا ہے۔اسے بھی غصہ آجاتا۔ وہ بھی پلٹ کر جواب دیتی۔وہ سوچتی میری قسمت ہی ایسی ہےتو الزام کسے دوں ......لیکن طعنے کیوں سہوں۔میرے ابو اور بھائی کا دیا کھاتی ہوں پھران سے کیوں ڈروں۔

''خود کے بچوں کا گلا کاٹ کر غیروں کے بچوں کودودھ گھی کھلاؤ......''

''کس کو سنا رہی ہو بھابھی......تمہارے بھائی بھتیجے جو یہاں پڑے ٹکڑے توڑتے

رہتے ہیں تمہیں نہیں دکھائی دیتا...... کیوں؟''

سنتے ہی سیما کا غصہ ساتویں آسمان پر پہنچا۔اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

''میرے بھائی اپنے چاچا کے گھر رہتے ہیں......اے بی بی تمہارے باپ کا گھر ان کے چاچا کا گھر ہے۔تمہیں کیوں مرچی لگی۔''اس نے ڈنک ماری۔''

''میرے ہیرے جیسے بھائی کو اچھی لڑکیوں کی کیا کمی تھی......وہ تو تمہاری اماں میرے سامنے پلو بچھاتی رہی اور مجھے راضی کر لیا۔میری ہی عقل خراب ہوئی جو ابو سے کہہ کر اس گھر میں تمہیں رانی بنا کر لائی۔میری ہی قسمت خراب تھی......میں نے ہی یہ رشتہ کروایا،اب بھگت رہی ہوں۔''

''اتنی مرچی لگتی ہے تو جاؤ نہ سسرال......وہیں مر کھپ گئی ہوتی......بھائیوں کو لوٹ کر کیوں چربی چڑھا کر موٹی ہو رہی ہو......کھانے کو ڈھائی سیر اناج اوپر سے گھی دودھ......ہمارا دیا کھاتی ہو اور ہم پر ہی غراتی ہو......''

''ہائے رے میری قسمت......''انم زور زور سے روتی ہوئی کہنے لگی۔''مائکے کی دہلیز میں، میں جس کو اپنا بنا کر لائی تھی آج وہ ہی میری دشمن بن گئی۔''

زینب کو برداشت نہیں ہوا۔اس نے جا کر انم کا ہاتھ تھام کر کہا۔''چلئے میرے کمرے میں......انم باجی......اٹھیے۔''

انم نے چونک کر دیکھا۔دل کو راحت ملی کوئی تو میرا ہمدرد ہے۔سچ ہے پڑھی لکھی لڑکی سمجھدار ہوتی ہے،اسے جھگڑا پسند نہیں......رشتے کی قدر جانتی ہے۔

''ہائے زینب دیکھو میں اپنے......'' کچھ سنانا چاہی لیکن زینب نے بولنے سے منع کیا۔اداس چہرہ، بکھرے بال دیکھ کر زینب کو اس پر بہت رحم آیا۔

''ہاں......ہاں......لے جاؤ......دو دن ہی میں تمہیں بھی ڈنک مار کر سیدھا کر دے گی۔

سیما کی باتوں کو دھیان میں نہ رکھتے ہوئے زینب نے انم کو اپنے کمرے میں لا کر بٹھایا۔ٹھنڈا پانی پلایا۔

''عورت کا کہیں زور نہیں چلتا......انم باجی......آپ کو صبر سے کام لینا چاہئے۔''

''میں سب سمجھتی ہوں زینب۔عورت کا کہیں زور نہیں چلتا......اپنے ماں باپ کے یہاں تھوڑا بہت چل ہی جاتا ہے۔تھوڑی سی سوجھ بوجھ اور جھک کر چلنے سے والدین کے یہاں

عزت ملتے دیر نہیں لگتی۔بس اپنے جسم کو تکلیف دے کر ان کے آرام کا دھیان رکھو تو دو روٹی کا نقصان نہیں...... پر کب تک؟ کبھی تو غلطی ہو ہی جاتی ہے۔کیوں سہوں ان کی دھونس......ابھی تک تو میرے ابو کا دیا کھاتی آئی ہوں۔''

زینب نے سوچا یہ مجھ سے اتنی بڑی ہیں میں انہیں کیا سمجھا سکتی ہوں۔انم بتانے لگی ایک بار ان کے دفتر سے ان کی سیکریٹری گھر ملنے آئی، میں خوشی سے چائے لینے گئی۔چائے لے کر آئی تو ان دونوں کو قابل اعتراض حالت میں دیکھ کر حیران رہ گئی۔

''تم اتنی جلدی کیسے آ گئی......؟''انور کو کچھ نہیں سوجھا وہ پوچھ بیٹھا۔

ڈھیر سارے الفاظ انم کے ہونٹوں پر آ کر رک گئے۔ذلیل ہو کر بیڈروم میں جا کر بستر پر اوندھے منہ رونے لگی۔

دونوں باہر چلے گئے۔دیر رات واپس گھر آ کر انور نے بیوی کا غصہ ٹھنڈا کرنا چاہا۔ اسے بانہوں میں بھرنا چاہا، تب انم کے دل میں بغاوت جاگ اٹھی۔اس نے عجیب احساس سے شوہر کے ہاتھ جھٹکتے ہوئے کہا۔''آپ نے میرے وجود سے انکار کیا ہے۔فریب کیا ہے میرے ساتھ......اس حرکت پر کوئی بھی عورت سخت ہو سکتی ہے۔اب میں دھوکے میں کیوں رہوں......؟''

وہ کھڑکی کے پاس کھڑی روتی رہی۔اپنے اندر کی آندھی کو روکنے کی کوشش کرنے لگی۔

''انور میں ایک عورت ہوں اور عورت اپنے شوہر کے ساتھ کسی کو نہیں بانٹ سکتی''

''زیادہ ہلا غلہ کیا تو پچھتاؤ گی......''وہ چیخا۔

''کیا کر لو گے آپ؟''اس نے بھی چیخ کر کہا۔

''چوٹی پکڑ کر باہر کر دوں گا......''وہ غرایا۔

''میں آپ کی بیوی ہوں، کوئی غلام نہیں......''

''اسلام نے ہم مردوں کو چار شادیاں کرنے کا حق دیا ہے۔میں شادی بھی کر لوں گا تم کچھ نہیں کر سکتی۔اب تو چاروں طرف دوسری عورتوں سے کھلے عام تعلق رکھنے کی چھوٹ دی جا رہی ہے۔بس تھوڑا لکیر سے ہٹا تو اتنا ہو ہلا کیوں؟''

''میں اپنے شوہر اور میرے بیچ کسی دوسرے کو برداشت نہیں کر سکتی۔''

وہ رونے لگی اور وہ منہ موڑ کر سو گیا دوسرے دن ہی ماں سے کہہ کر اسے مائکے بھیج دیا۔

تب سے وہ یہیں رہ رہی ہے۔ انم کے سامنے سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اس کے دل میں گہرا درد تھا۔

''تھوڑا برداشت کر لیتی ...... میں نے بھی تو دیکھ تیرے ابو کی ہر بات سہی ہے یا نہیں آدمی باہر کچھ بھی کریگا...... آیگا تو آخر گھر ہی۔'' ماں کو بیٹی کا اس طرح آنا برا لگا۔

اسے انم کی ہی غلطی نظر آئی۔ وہ من ہی من بیٹی سے ناراض تھی۔

''میری بیٹی کی زندگی برباد کر دی...... چھوڑوں گا نہیں۔'' اس کے ابو کو سب معلوم ہوا تو لال پیلے ہوتے ہوئے بولے۔

''خود کیا کم تھے ...... بیٹی پر آ پڑی تو تلملا رہے ہیں......'' سالوں سے الفت کے دل میں شوہر کے لیے غصہ موقع پا کر ابل رہا تھا۔ وہ طعنہ دینے سے نہیں چوکی۔

''میں چالیس سالوں سے برداشت کر رہی ہوں۔ آپ کی بیٹی تو ایک دن بھی برداشت نہیں کر پائی۔''

''میں کیس کر دوں گا......اس کے ہوش ٹھکانے آ جائیں گے۔......''

''بس کچھ نہیں کرنا ہے ہمیں ...... بدنامی تو بیٹی کی ہی ہوگی نہ......اس کی قسمت کی دو روٹی اسے مل جائے گی۔'' الفت نے فیصلہ کر لیا۔

''زینب ماں تو غلطی میری ہی نکالتی ہے......اس لیے ان کے دماغ چڑھ گئے ہیں'' انم نے کہا۔ وہ کیا کہے خاموش ہی رہی۔

کمرے کے باہر تیز گرم ہوا چل رہی تھی۔ الفت خالا کا کہنا۔'' آج کل لڑکیاں جھک کر نہیں چلتیں۔ نیا زمانہ...... کیا یہی کہتا ہے کہ عورت کو جھک کر نہیں چلنا چاہیے۔''

''سماج کے سامنے سر اٹھا کر چلتی ہوں۔ اب تیری وجہ سے کسی کو کیا منھ دکھاؤں گی۔''

الفت لمحے بھر میں ممتا برساتی اور لمحے بھر ہی میں غیر ہو جاتی۔

زینب سوچ رہی تھی ظلم تو ہوا ہے تبھی اس نے گھر چھوڑا ہے۔ لیکن عورت کا کب کوئی گھر ہوا ہے۔ یہ باپ کا گھر، یہ شوہر کا گھر اور یہ بیٹے کا گھر، وہ بھائی کا گھر۔ جو اپنے پاس رکھتا ہے، وہ اپنی مرضی اس پر چلاتا ہے۔

الفت خالا گھر آئی تو جان کر خوش ہوئی کہ زینب نے جھگڑا بڑھنے سے روک دیا۔ اس نے زینب کو کہا اسے سمجھاؤ بھابھیوں کے ساتھ نرم ہو کر رہے۔

''تو اسے سمجھا بجھا کر سسرال جانے کے لیے تیار کر دے تو میں اسے بھیجنے کا کوئی راستہ نکال لونگی۔''

انم کام کرنے میں لگ گئی۔ زینب کھڑکی سے دھوئیں بھرے شہر کی مدھم روشنی کو دیکھنے لگی۔ وہ سوچ رہی تھی جدید سماج کا یہی تو المیہ ہے سب سے قریبی تعلق شوہر بیوی کا ہوتا ہے لیکن ہم انہیں ٹوٹنے سے نہیں بچا سکتے۔

ریحان نے آتے ہی بتایا ہم کل کولکاتا جا رہے ہیں۔ میں نے ماں کو منا لیا۔ وہ تمہیں میرے ساتھ بھیجنے کے لیے مان گئی ہیں۔

وہ شوہر کے ساتھ کولکاتا آ گئی۔ نوکری یہاں ہے، اچھا ہے۔ ان سب سے دور رہ کر سکون سے رہ پائے گی سوچ کر وہ خوش تھی۔ شوہر کے ساتھ اکیلے رہنے پر یقیناً سب بھول جائے گی۔ لیکن ایشور نے تو اس کی قسمت میں پیار لکھنے میں کنجوسی کی تھی۔

نیا شہر۔ وہ جس دن وہاں پہنچے نہانے کھانے کے بعد ریحان آفس چلا گیا۔ زندگی کے سفر کی سنہری ابتدا زینب ایک خوبصورت شام سے کرنا چاہتی تھی۔ ریحان کے آنے کا وقت ہو گیا۔ اپنے سارے خوابوں کو پیچھے دھکیل کر اٹھی۔ ساتھ لائے ہوئے ناشتے کو پلیٹ میں سجائی۔ گلابی سوٹ پہن کر تیار ہو گئی۔ من ہی من طے کیا ریحان کے آنے کے بعد چائے پی کر کسی پارک میں گھومنے جائیں گے۔

ریحان لوٹ کر آیا۔ وہ بہت جلدی میں تھا۔ چائے دیتے ہوئے بڑی جوش میں زینب نے اس کی آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کی لیکن ریحان جلدی سے چائے ختم کرتے ہوئے بولا۔ ''جان......ابھی ایسی نظروں سے نہ دیکھو......رات ہونے میں بہت وقت ہے۔ اس وقت میرے دوست میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔''

''میں آج آپ کے ساتھ باہر گھومنے جانا چاہتی ہوں ......**پلیز** ......''

''شام کو دوستوں کے ساتھ گھومنے جانے کا رول میں کبھی نہیں توڑ سکتا۔ پھر کبھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔ تم پڑوس میں مسز شرما کے پاس چلی جانا یا ڈائری میں فون نمبر لکھے ہیں، لینا بھابھی کو بلا کر گپ شپ کر لینا۔''

''لیکن میں یہاں کسی کو نہیں جانتی ہوں۔''

''کسی سے ملو گی تبھی تو جانو گی۔'' وہ بائک پر سوار ہو کر چلا گیا۔

''ہم تو سوچ رہے تھے تم نہیں آؤ گے۔ کچھ دن تو بیوی کے آنچل سے تو بندھے رہو گے۔ آج ہی آئے اور اسے اکیلی چھوڑ دیا۔ دوستوں نے مذاق کیا، سب ہنسنے لگے۔

''ہوں ...... میں اور جورو کا غلام ...... میں کہتا ہوں کہ بیوی کو شروع ہی سے دبا کر رکھو نہیں تو سر پر چڑھ جاتی ہے۔'' سب ہنسنے لگے۔

زینب بالکل اکیلے بیٹھی تھی۔ نیا گھر، نیا کمرا اور نئی زندگی۔ نئی زندگی کی شروعات اتنی اندھیری۔ سناٹا اسے ڈسنے لگا۔ شام ڈھلنے لگی۔ آسمان گہری تاریکی سے گھرنے لگا۔ وہ ست آنکھوں پر مہندی لگی ہتھیلیاں رکھ کر لیٹ گئی۔ وقت گزرتا گیا۔ وہ انتظار کرتی رہی۔

ریحان نے آتے ہی کہا'' آج تو ماں نے جو کھانا ساتھ دیا ہے، گرم کر لاؤ۔ کل سے تمہیں کھانا پکانا ہے۔''

''ریحان ہم ایک نوکر رکھ لیں ......'' اس کے کہنے پر وہ بھڑک گیا۔

''کیوں کیا گھر نوکروں کے بل پر چلے گا ...... پھر تمہاری کیا ضرورت ہے، جو میں تمہیں یہاں لے آیا۔''

وہ اب تک ریحان کی پل پل میں بھڑک جانے والی عادت کو اچھی طرح جان گئی تھی۔ وہ آنسو سے بھری ہوئی کھانا گرم کر کے لے آئی۔ وہ جو کبھی کسی سے نہیں ڈرتی تھی، بات بات میں ریحان سے ڈرنے لگی۔

''میں کوشش کروں گا کوئی بھروسے کا نوکر مل گیا تو رکھ لیں گے۔'' اس نے جھوٹا دلاسہ دیا۔

''اب تم برتن رسوئی میں صاف کر کے رکھ آؤ اور دودھ گرم کر کے لے آؤ'' ریحان نے حکم دیا۔ وہ خاموشی سے برتن اٹھا کر رسوئی میں گئی۔ دودھ گرم کر لائی۔

''ریحان تم جانتے ہو مجھے چھوٹے موٹے کام بھی کرنے نہیں آتے ہیں ...... دیکھو میرا ہاتھ ابلتے دودھ سے جل گیا۔'' اس نے بات جیسے سنی ہی نہیں۔ وہ پیر پھیلائے پلنگ پر پھیل کر مگن ہو کر ٹی وی دیکھتا رہا۔ اس نے گرم دودھ اسے بھی پینے کے لیے کہا اور خوشی سے خود بھی پیتا رہا۔ گلاس خالی ہوتے ہی میز پر رکھ کر زینب کو اپنی طرف کھینچ لیا اور جسمانی بھوک مٹا کر سو گیا۔ رات بڑھنے کے ساتھ ریحان بستر پر پسرتا پھیلتا رہا اور وہ سمٹی سکڑی ایک کنارے پڑی سوچتی رہی۔

کیا آج بھی عورت صرف جنسی ضرورت ہے؟ دوسرے دن اس نے ریحان کو سمجھانا چاہا۔ ’’ریحان میرے لیے ایک نوکرانی رکھ دو۔‘‘

’’اچھا ٹھیک ہے کچھ دن کے لیے نوکرانی کو بلالیں گے.....تم اس سے سب سیکھ لینا کہ ساری ذمے داری اب تمہاری ہے۔ صفائی سے لے کر کھانا پکانے تک، اگر تم خوشی چاہتی ہو تو سب خوشی سے سیکھ لو گی.....نہیں تو دوسرا راستہ طلاق ہے.....ابھی کون سی تم جائداد کی مالکن بن گئی ہو جو تم میرا پیسہ لٹانا چاہتی ہو۔ ابھی تو تم صرف میری بیوی ہو.....جیسا میں چاہوں گا رہنا پڑیگا۔‘‘

یہ وارننگ تھی۔ اس کے آفس جانے کے بعد وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

’’ظالم..... بے رحم..... میں سب برداشت کرلونگی مگر یہ میرے ساتھ پیار سے تو پیش آئے۔ اگر تمہیں نوکروں کا ہی کام کرانا تھا تو کسی انپڑھ نوکرانی سے شادی کر لیتے۔ کیا ضرورت تھی مجھ سے شادی کرنے کی؟ وہ روٹیاں پکاتی، کپڑے پریس کرتی، فرش چمکاتی.....میرا خواب غریب مریضوں کی طبی خدمت کرنا.....اب پورا نہیں ہوسکتا‘‘ من ہی من کہتی۔

وہ رو رہی تھی۔ زور زور سے بول رہی تھی۔ ممی یہ آپ نے کیا کردیا.....اپنی بیٹی کو گنوار کے حوالے ہی کرنا تھا تو کیوں پڑھایا؟ پاپا کا خواب میری بیٹی ڈاکٹر بنے گی۔ شروع سے اس کی عادت تھی جب غصہ آتا وہ زور زور سے خوب بولتی..... جو منھ میں آتا کہتی۔ چاہے کوئی سنے یا نہیں.....وہ بولے جارہی تھی۔ اس کا غصہ کم نہیں ہو رہا تھا۔

بھلا رویا بھی کب تک جا سکتا ہے۔ اسے بھوک بھی زور کی لگ گئی تھی۔ پہلی بار اسے بھوک نے ستایا۔ رسوئی میں انڈا ڈبل روٹی رکھے تھے۔ صبح صرف چائے جو اس سے اچھی نہیں بنی تھی، وہی پی تھی۔ اسے لگا کچھ دیر کھانے کو نہیں ملا تو وہ بے ہوش ہو جائے گی۔ وہ اٹھی زور سے انڈا توڑا، آدھا پلیٹ میں اور کچھ باہر گرا۔ جیسے تیسے آملیٹ بنایا اور ڈبل روٹی سے کھائی۔ صدمے سے اس کا برا حال تھا۔

شام کو ریحان گھر آیا۔ اقرا کو فون لگاتے ہوئے بولا۔ ’’اپنی ممی سے بات کرو گی..... لیکن خیال رہے یہاں کی کوئی بات ادھر نہیں جانی چاہیے۔‘‘

’’کیسی ہو زینب‘‘

’’میں بہت خوش ہوں ممی.....‘‘ اس نے اپنے دل میں کہا ویسے بھی بیٹیاں اپنے

سسرال کا دکھ بہت مجبوری میں ہی بتاتی ہیں۔کوئی بیٹی اپنے برے حالات ماں کو بتا کر پریشان نہیں کرنا چاہتی، مجبوری الگ بات ہے۔

''میں مرغا لایا ہوں......اسے پکالاؤ۔''

''میں......؟'' وہ تعجب سے بولی۔''میں نے بتایا تھا نہ مجھے پکانا نہیں آتا۔یہ تم اچھی طرح جانتے ہو۔''

ریحان نے اپنی ماں کو بھی فون لگایا۔موبائل کی آواز تیز کر رکھی تھی۔

''اماں لگتا ہے میری قسمت میں اچھا کھانا نہیں لکھا ہے......اسے تو کچھ پکانا ہی نہیں آتا ہے۔''

''بیٹا آخر کروڑ پتی کی بیٹی ہے۔اسے اپنے گھر میں کھانا پکانے یا کوئی کام کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی...... مجھے تو لگتا تھا اقرا اپنی بیٹی کے آرام کے لیے خانساماں ساتھ بھیج دے گی۔'' الفت نے کہا۔

''پر اس کی ماں تو ضرورت سے زیادہ کنجوس نکلی......اکلوتی وارث ہے۔ان کے بعد بھی تو اسے ہی سب ملے گا...... پہلے ہی کچھ دے دیتی۔'' ریحان نے اسے سناتے ہوئے طنز کیا۔

ریحان کے الفاظ زینب کے کان میں تیر کی طرح لگے۔

حیرانی سے اس نے ریحان کو دیکھا۔یہ وہی انسان ہے جو اتنا پیار جتاتا تھا۔تو یہ سب میری جائداد ہڑپنے کا ڈراما تھا۔ایک ہی مہینے میں پورے خواب ہوا ہو گئے میرے۔میں نے سوچا تھا سچے دل سے میں اس کی بیوی بن کر اس کی زندگی، دنیا کو جنت بنا دوں گی۔

کاش! میں نے شادی کرنے سے پہلے کچھ سوچا ہوتا......ریحان کا مقصد صرف اسے جھکانا، پریشان کرنا اور گھر کے کاموں میں الجھائے رکھنا ہے۔

آج تو میں سکھا دیتا ہوں بیگم...... چلو رسوئی میں۔تم آٹا تیار کرو، روٹی بنانی ہے۔''

اسے حکم ماننا تھا۔لیئی جیسا آٹا گوند پائی۔دنیا کے نقشے جیسے نیم پکی اور جلی روٹیاں بنا پائی۔ایک روٹی بیچ میں سے پھول کر پھٹ گئی۔بھاپ سے اس کا ہاتھ لال ہو گیا۔جلن برداشت نہیں ہو رہی تھی۔

''کوئی بات نہیں، روٹی بناتے ہوئے کئی بار ہاتھ اس طرح جل جاتا ہے۔الماری میں مرہم رکھا ہے لگا لو۔''

اسے میرے دکھ درد کی کوئی فکر نہیں۔ وہ حمام میں جا کر رونے لگی۔

ایک بار ریحان کے دوست اس کے گھر آئے۔ اُمیت نے کہا۔ ''ریحان تمہاری صحت تو شادی کے بعد بہت اچھی ہوگئی ہے۔ چہرے پہ رونق آ گئی ہے۔''

''اسی کو تو سکھی پریوار کہتے ہیں۔ میری بیوی بہت اچھی ہے۔ کتنا بھی پریشان کرو برا نہیں مانتی ہے۔ دوسری عورتوں کی طرح نکھرے بھی نہیں کرتی ہے۔'' ریحان نے خوش ہو کر بتایا۔

''میں کہتا تھا نہ کہ عورت کو شروع سے ہی دبا کر رکھو نہیں تو سر چڑھ جاتی ہے۔ میرا فارمولا یاد رکھو عورت پیر کی جوتی ہوتی ہے۔''

''لیکن جوتی بھی کبھی پیر میں کاٹتی ہے......چبھتی بھی ہے۔'' اُمیت بولا۔

''ایسی نوبت نہیں آنے دوں گا۔ اٹھا کر پھنکنا بھی جانتا ہوں ...... بیوی کو گھر سے نکالتے دیر ہی کتنی لگتی ہے۔''

اُمیت کو اس کے خیالات بہت برے لگے۔ اس نے دل میں سوچا بیچاری زینب اس کی بیوی کبھی خوش نہیں رہ سکے گی۔ یہ تو بیحد خود غرض آدمی ہے۔ اس کے ساتھ تو کوئی بھی عورت خوش نہیں رہ سکتی۔ اتنی خوبصورت، ڈاکٹر لڑکی کی زندگی برباد ہوگئی۔

اس نے ایک بار کہہ دیا آپ روز دوستوں کے گھر جاتے ہو اپنے گھر ہی بلا لیا کرو۔ اس کے دوستوں کی ٹولی ہر روز آ کر اڈا جمانے لگے۔ اب وہ بے فکر ہو کر بیٹھ بھی نہیں سکتی۔

کبھی چپس یا پڑتل دیتی، پکوڑے تو وہ ہاسٹل میں سب سے اچھے بناتی تھی۔ دوست اس کے بنائے پکوڑوں کی تعریف کرتے تو ریحان کی پیشانی پر بل پڑ جاتے۔ کوئی نہ کوئی کمی نکال دیتا۔ اس کا تو کہنا تھا بیوی کی بڑائی کرتے ہی سر پر چڑ جاتی ہے۔

وہ دل سے چاہتی تھی کہ ریحان اس سے پیار کرے۔ میں اس کے پیار میں سب بھول جاؤں لیکن وہ تو صرف خود سے پیار کرتا ہے۔ زینب جو جھیل رہی تھی الزام کس کو دیتی۔ کھانا پسند نہیں آنے پر پلیٹ پھینک دیتا۔ دھوبی کپڑوں کو اچھی طرح پریس کر کے نہیں لاتا تو بھی قصور زینب کا۔ چہرے پہ مسکان نہیں پاتا تو اس کی سات پشتوں کو بخان دیتا۔ ہر وقت گالی گلوچ پر اتر آتا۔

''تم مجھ سے دو لفظ مسکرا کر بول لیتی تو کیا تیرا خزانہ لٹ جاتا؟''

''سنئے ریحان مجھے ڈاکٹر کے پاس جانا چاہیے...... مجھے لگتا ہے......''

''صبح ڈاکٹر کے پاس کموں کو لے کر چلی جانا۔ ابھی تو مجھے چین سے میچ دیکھنے دو۔''

زینب تو اس کے لیے صرف سیکس کرنے کی چیز سے زیادہ کچھ نہیں تھی۔ اس کے جذباتوں کی کوئی قدر نہیں کرتا تھا۔ اچھا کھانا کھانا اور جسمانی بھوک مٹا کر سو جانا ہی اس کا مقصد تھا۔ یہ سلسلہ لگاتار چلتا رہا۔

دس

ریحان دیر سے گھر آیا۔ دونوں نے کھانا کھایا۔ دودھ گرم کرتے وقت اچانک اسے دودھ کی بو محسوس ہوئی۔ اس کا جی مچل گیا۔ دودھ پکڑا کر وہ حمام میں جا کر الٹی کر آئی۔ کھڑکی کے پاس کھڑی ہو کر تازے ہوا میں سانس لینے لگی۔ سامنے پھیلے اندھیرے میں سڑک پر گاڑیوں کو دیکھتی رہی۔ تھکی آنکھوں میں جب نیند آنے لگی تو آ کر لیٹ گئی۔ ریحان ٹی وی دیکھ رہا تھا۔

طبیعت کچھ خراب تھی۔ اسے لگ رہا تھا جیسے ہاتھ پیر میں جان ہی نہیں ہے۔ دیر رات اسے بڑی مشکل سے نیند آئی۔

اچانک ریحان کے ہاتھ حرکت کرنے لگے۔ اس طرح جگا دیے جانے پر اسے غصہ آ گیا۔ بڑی بڑی کالی آنکھیں نیند کی وجہ سے گلابی تھیں۔ وہ جوش بھری آواز میں کچھ کہنا چاہتی تھی۔ مگر معتدل ہو کر سنجیدگی سے بولی۔ ''ریحان میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، بڑی مشکل سے نیند آئی تھی اور آپ نے جگا دیا''

''جگا دیا تو کیا ہوا؟ یہ تو میرا حق ہے، میں جب چاہوں تمہیں جگا سکتا ہوں۔''

''میرا سر درد سے پھٹا جا رہا ہے، مہربانی کر کے تھوڑا سو نے دو نہ......'' وہ بے بسی سے بولی۔

''میں...... جب میرا دل چاہے تمہیں پیار کر سکتا ہوں......'' وہ نہیں مانا۔

زینب مجبوری میں لیٹی رہی۔ اس کے جسم کی اعضاء میں ایک تناؤ پیدا ہو گیا۔ اپنی بانہیں ماتھے پر رکھ کر بولی۔ ''خود غرض...... بے رحم......''

''یہ کیسا انسان ہے۔ اسے بیوی کے دکھ درد کا احساس ہی نہیں۔ بیماری میں بھی اپنی خواہش پوری کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ اس کے منھ سے دو لفظ نکلے......پلیز......ابھی نہیں......''

''کیوں یہ نکھرا کیا ہے؟ ہم مردوں کو خدا نے حق دیا ہے کہ ہم جب چاہیں اپنی خواہش

پوری کر سکتے ہیں اور اگر بیوی اپنے شوہر کی خواہش پوری کرنے سے منع کرتی ہے تو اس کی بخشش نہیں ہوگی۔اس سے بڑا کوئی عذاب نہیں۔سمجھی تم۔''

زینب من ہی من بولی''ہاں...... ہاں میں سب جانتی ہوں لیکن خدا نے اس کے لیے بھی کچھ اصول بنائے ہیں۔اس اصول کو مردوں نے صحیح نظریے سے نہیں اپنایا ہے۔عورت کی کچھ مجبوری بھی تو ہوسکتی ہے۔خدا کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ عورت کو ستایا جائے۔یہ کیسا حق دیا ہے خدا تو نے،جس کا ہر شوہر فائدہ اٹھا کر بیوی پر من مانی کرتا ہے۔ہم عورتیں بھی تو تجھ سے فریاد کر سکتی ہیں۔تو نے تو ہمیں بھی برابری کا حق دیا ہے۔لیکن کچھ مرد اپنے مطلب کے لیے اچھے اصول کو بگاڑ کر پیش کرتے ہیں۔'' وہ من ہی من بولتی رہی پر ظاہری طور پر خاموش ہی رہی۔

یہ تو روز کا رویہ تھا۔جسمانی بھوک کو مٹا کر سو جانا۔تب اس کی جلکڑن بھری گہری سانسیں کمرے کی دیواروں سے ٹکرا کر سنجیدہ ہو جاتیں۔کبھی کچھ کہنا چاہتی تو وہ سننے سے پہلے ہی کہتا۔''آخر تم چاہتی کیا ہو؟ گھر میں سب کچھ موجود ہے۔دوسری عورتوں کی طرح خوش کیوں نہیں رہتی۔ہر وقت رونے جیسی صورت کیوں بنائے رکھتی ہو؟ مجھ میں ایسی عادت بھی نہیں۔دوسری عورتیں اپنے شوہر کے عیب یا بری عادت سے پریشان رہتی ہیں۔میں تو برے کردار کا بھی نہیں ہوں،شرابی بھی نہیں ہوں کہ تمہیں دکھ ہوتا ہے۔''

کچھ دیر پہلے ریحان کے پیار کی حرکتوں سے پریشان ہونا، دل نفرت سے بھر اٹھتا، لیکن کیا کرے؟ بغاوت...... کیا خود پیار حاصل کرنے کی خواہش نہیں رکھتی؟ پر یہ آدمی پیار کا ایک ہی مطلب جانتا ہے...... پیار کرنے کا ایک ہی طریقہ۔وہ چاہتی پیار سے باتیں کریں۔ایک دوسرے کا ہاتھ تھام کر ازدواجی زندگی کی راہ پر ساتھ ساتھ چلے۔

یہ سب سوچتی ہوئی تڑپ رہی تھی۔طویل سانسوں سے کمرا دھیرے دھیرے نارمل ہوا۔سوتے ہوئے شوہر کا لمس بچاتی الگ ہو کر سونے کی کوشش کرنے لگی۔

اچانک اس نے محسوس کیا کہیں یہ پہلے حمل کی صورت حال تو نہیں۔پھر سوچا کچھ دن بعد ہی ٹھیک سے معلوم ہوگا۔تھکی تھکی آنکھوں میں نیند آ گئی۔

رات بھر نیند نہ آنے سے صبح ہوتے ہوتے اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔ریحان نے اسے اٹھا دیا۔''ارے جلدی اٹھو ابھی ٹرین سے ممی آ رہی ہے۔میں تمہیں بتانا بھول گیا تھا۔چائے بنا دو

میں اسٹیشن جا رہا ہوں۔''

کچی نیند سے جگا دینے سے اس کے سر میں درد ہو گیا اور جی متلانے لگا۔اس نے جلدی سے چائے بنا کر اسے دی۔ساس کے آنے سے خوش ہوئی،لیکن پریشان تھی کہ میری طبیعت خراب ہے اب کیا کروں؟اس نے جلدی سے کام نپٹایا۔الفت خالا آ گئی۔

زینب نے کھانا پکایا۔ماں بیٹے نے شوق سے کھایا۔پھر بھی الفت نے کچھ نہیں کہا۔زینب کی ساری امیدوں پر پانی پھر گیا۔وہ خاموشی سے رسوئی میں چلی گئی۔آنسو کے دو بونداس کی آنکھوں سے ٹپک گئے۔

''لگتا ہے میری قسمت میں زینب کے ہاتھ کا پکا اچھا کھانا نہیں لکھا ہے۔اسے بریانی، کورما،اور کباب بنانا سکھا دینا......کبھی کبھی تو اس کے ہاتھ کا لذیذ کھانا کھانے کو تو ملے گا۔''

''میں نے تو سوچا تھا اب تک تو اس نے سب کچھ سیکھ لیا ہوگا۔''

جو الفت خالا ہمیشہ میری جانب رہتی تھی کہ وقت آنے پر سب سیکھ لے گی۔اب اتنی محنت سے میں نے اتنا اچھا کھانا پکایا تو ان کو کوئی خوشی نہیں ہوئی۔گھر بھی میں نے اتنا سجایا۔اتنی بیمار ہوتے ہوئے بھی اتنے شوق سے ان کے لیے سب کچھ کرتی پھر رہی ہوں۔دکھ اور غصے میں اس کا من کھانا کھانے کو نہیں کیا۔برتن سمیٹ کر رسوئی میں لا کر رکھ دیا اور اپنے کمرے میں جا کر بیٹھ گئی۔اسے امید تھی کہ ساس اسے کہے گی تم نے کھانا نہیں کھایا،یا ریحان پوچھے گا تم نے کیوں نہیں کھایا۔بہت دیر بعد ساس کو یاد آئی تب اس نے آواز لگائی''زینب تم بھی کھانا کھا لو۔''

اچانک اسے لگا وہ گونگی ہو گئی ہے۔اکیلی تھی تو دھیرے دھیرے کام کر لیتی۔اب تو ساس کے سامنے سارے کام وقت پر کرنے پڑتے۔یہ ایک نئی پریشانی۔دو دن رہ کر ساس چلی گئی۔اسے اطمینان تھا کہ بیٹے کی زندگی اچھی گزر رہی تھی۔زینب ریحان کو اپنی حالت بتانا چاہتی تھی پر وہ تو گھر میں چھلاوے کی طرح آتا۔

''ریحان پلیز آج کچھ دیر باہر مت جاؤ......میں کچھ بتانا......''

''شادی ہو گئی تو کیا دوستوں کو چھوڑ کر تمہارا چکر لگاتا رہوں۔''

ریحان کے جانے کے بعد بہت کوشش کر کے اس نے رسوئی میں رکھے جھوٹے برتن صاف کر کے اپنی جگہ پر رکھے۔دکھ درد کو نظر انداز کر کے بستر پر لیٹ گئی۔

کچھ ہی وقت بعد ریحان کے دوست اُمیت کی بیوی اس سے ملنے آ گئی۔ ''میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، مجھ میں اٹھنے کی طاقت نہیں، آپ بیٹھیۓ۔''

''تم لیٹی رہو'' ونیتا اس کی حالت دیکھ کر بولی۔ ''ایسی حالت میں تمہیں چھوڑ کر کہاں گئے ہیں ریحان؟''

اس نے اپنے شوہر کو فون کے ذریعے خبر دی کہ ریحان کو لے کر گھر آ ئیں۔ وہ پلنگ کے پاس کرسی لے کر بیٹھ گئی۔ من ہی من اسے ریحان کے اوپر غصہ آ رہا تھا۔

زینب کے پورے جسم میں ایک زوردار کھلبلی مچ گئی۔ وہ بے قراری سی پڑی تھی۔ اُمیت کے ساتھ ریحان آیا تو ونیتا بہت ناراض ہوئی۔

''ایسی حالت میں آپ اسے چھوڑ کر باہر چلے گئے۔ دیکھیۓ کتنی کمزور لگ رہی ہے۔ لگتا ہے اس نے کئی دنوں سے کھانا نہیں کھایا ہے۔''

''لیجیۓ صاحب مجھے ڈانٹ پلائی جا رہی ہے۔ لاپرواہی ان کی ہے۔ بھابھی میں کوئی روٹی کا کٹورادان ساتھ تھوڑی ہی لے جاتا ہوں ...... آپ بھی تو اپنا خیال خود ہی رکھتی ہیں ...... ان کو بھی اپنا خیال رکھنا چاہیے۔ گھر میں کسی چیز کی کمی تو نہیں ہے، بھوکی کیوں رہی، خوب کھانا چاہیے۔'' کہتے ہوئے ہنسنے لگا۔

اُمیت اسے عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ ''ریحان تمہاری ضرورت ہے ان کو...... بیماری میں ہر بیوی کی خواہش ہوتی ہے کہ شوہر اس کا خیال رکھے...... شوہر اپنا زیادہ سے زیادہ وقت اس کے ساتھ گزارے۔''

''اب اس میں میرا کیا قصور؟ باہر والوں کو بتا سکتی ہے کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں اور مجھے نہیں'' اس نے اُمیت کو ناراض دیکھ کر کہا۔

رات ہونے کے ساتھ اس کا بخار بھی بڑھتا گیا۔

صبح ہونے تک بخار تیز ہو گیا۔ ریحان نے اپنی ماں کو فون کر کے بتایا تو الفت نے اسے سمجھایا۔ اقرا کو بتا دو وہ جہاز سے آ کر لے جائے گی اور علاج کرائے گی۔ اقرا دوسرے دن ہی بیٹی کو لینے آنے کے لیے تیار ہو گئی۔

زینب نے اسے کچھ بتانا چاہا تو اس نے کہہ دیا ''دوائی لے لو اور آرام کرو۔ مجھے سکون

سے فائنل میچ دیکھنے دو۔"

شام کو وہ باہر نکل گیا۔اس کے باہر جاتے ہی وہ زور زور سے بولنے لگی۔

"مجھے تمہارے ساتھ نہیں رہنا خودغرض آدمی۔ میں ہانڈی چولہے میں اپنی زندگی نہیں پھونک سکتی سمجھے تم۔ مڈل کلاس سوچ رکھنے والا آدمی کبھی اچھا نہیں سوچ سکتا۔میری خاموشی کو میری کمزوری سمجھ رہا ہے۔میں صرف ممی پاپا کی وجہ سے خاموش ہوں۔گھر جا بیٹھی تو ممی کو لوگ طعنے دیں گے۔" اس نے اپنے خوبصورت ہاتھوں کو دیکھا ،جن کو وہ کئی بار لوشن سے دھوتی تھی مگر گندے برتن صاف کرتے وقت اس کا ایک ناخن ٹوٹ گیا۔وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

اسے پہلی بار کھانا پکانا یاد آیا۔اس کھانے کو دیکھتے ہی ریحان کی جو شکل بنی تھی ، یاد آتے ہی اسے ہنسی آگئی۔دال جلی ، دنیا کے نقشے کی طرح جلی اور کچی روٹیاں اور بڑے شوق سے بنائی گئی انڈے کی سبزی ، جس میں چھلکے کے ساتھ پانی میں کچے پکے انڈے تیر رہے تھے۔کھانا دیکھ کر ریحان کا غصہ ساتویں آسمان پر تھا۔اس وقت ریحان کی جو شکل بنی تھی یاد آتے ہی ایسی حالت میں بھی اس کی ہنسی نہیں رک رہی تھی۔

"کھانا تو تمہیں ہی پکانا ہوگا۔کل سے نوکرانی آئے گی اس سے سیکھ لینا۔"

ریحان کا غصہ دیکھ کر اس نے کھانا پکانا سیکھ لیا۔اس کو لگتا شوہر تو صرف اس پر راج کرنا چاہتا ہے۔اس کے لیے تو وہ صرف ضرورتیں پوری کرنے والی مشین تھی۔وقت پر کھانا ، وقت پر سونا اور ہر وقت اسے خوش رہنا ہے۔اس نے ایک بار نوکری کے لیے پوچھا۔

"تم نوکری کی بات کروگی تو اپنے گھر جاؤ گی۔" ان لفظوں میں دھمکی تھی۔

وہ ان لوگوں کو جاہل سمجھتی تھی لیکن اس حد تک نہیں۔اف......اس قدر طنز بھرا لہجہ۔پتھر جیسا سخت رویہ دل میں تیر کی طرح اترتا۔بات بات میں طعنے دینا نہیں بھولتا۔

وہ ٹوٹی بکھری سی رہتی۔زندگی کس موڑ پر آگئی ، اسے خود خبر نہیں تھی۔اب تک وہ پوری طرح سمجھ گئی کہ ریحان کا ایک ہی مقصد ہے۔میں گھر والوں کو مجبور کردوں کہ وہ جائداد میرے نام لکھ دیں۔یہ نہیں ہوگا ریحان۔تم ضد کے پکے ہو مجھ سے جو چاہتے ہو کروا لیتے ہو مگر یہ نہیں ہوگا۔میرا پیار تمہارے لیے ہے ، لیکن تمہیں تو دولت چاہیے......وہ میں ابھی نہیں لاؤں گی۔

وہ لاپرواہ انسان تھا۔گیلی طولیا بستر پہ ڈالی دیتا تھا۔بدبودار موزے پلنگ کے پاس

پڑے بدبو اڑاتے، ان سب سے اسے گھن آتی۔ مجبوری میں اٹھا کر رکھنا ہی پڑتا۔

شادی کے بعد اس نے سوچا تھا میں ریحان سے محبت کروں گی تو یہ بھی مجھ سے محبت کیوں نہیں کرے گا۔ آخر کار میرا شوہر ہے۔ لیکن اس کے دل میں تو محبت کا کوئی احساس ہی نہیں ہے۔ اپنی بے رونق زندگی کے بارے میں سوچتی کیسے بیتے گی میری زندگی؟

اسے یاد آیا ایک مرتبہ اس نے الفت خالا سے بھی کہا تھا۔ ''میں نوکری کروں گی''

''کیا ضرورت ہے؟ اگر شوق ہی ہے تو عورتوں کے لیے ڈسپینسری لگوا دیں گے۔ نوکری کرنے پہ تو تمہیں مردوں کے بھی ہاتھ پکڑ کر ناڑی دیکھنی پڑے گی۔ تم ایسا کوئی بھی کام نہیں کرو گی......ہم عزت دار لوگ ہیں۔ ہماری عزت کا تمہیں خیال رکھنا پڑیگا۔''

اسے ان لوگوں کی سوچ پر تعجب ہو رہا تھا۔ جیسے کبھی پیار سے بولنا سیکھا ہی نہیں ہے۔

الفت نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔ ''نہیں زینب گھر سے باہر جا کر عورتوں کی کوئی عزت نہیں رہتی۔ غیروں کے بیچ کام کرنا ٹھیک نہیں۔ گھر سے باہر لڑکیاں محفوظ نہیں رہتیں۔'' زینب کو ان لوگوں کی تنگ نظری پر تعجب ہو رہا تھا۔

رات تو ریحان کے ساتھ جیسے تیسے گزر جاتی ہے۔ دن تنہائیوں میں کاشف یا سعد کو یاد کرتے گزرنے لگے تھے۔ وہ سوچتی اگر ریحان مجھے محبت کا احساس دلاتا تو شاید میں ان کو بھول جاتی۔

شام کو ریحان کا رویہ ایک دم بدلا ہوا تھا۔ پھولوں کا گلدستہ لایا تھا۔ اسے اٹھا کر کپڑے بدلوائے۔ نوکرانی سے کہہ کر اس کے بالوں کی چوٹی بنوائی۔ بتایا کل کی چھٹی لے کر آیا ہوں۔ صبح پہلی فلائٹ سے اقرا آ گئی۔ اچانک ممی کو دیکھ کر اسے تعجب ہوا۔ اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''دیکھا زینب بیگم آپ کے لیے کتنا حسین تحفہ ممی کے پیار کا تھوڑی بیمار ہوتے ہی......'' ریحان نے ہنستے ہوئے کہا۔

اقرا تو زینب کے لیے ریحان کا پیار دیکھ کر نہال ہو گئی۔ وہ ڈاکٹر کو لے آیا۔ ڈاکٹر نے چیک کر کے بتایا وہ ماں بننے والی ہے۔ اقرا اور ریحان نے فون لگا کر الفت کو بتایا۔ سب خوش ہو رہے تھے۔ زینب کچھ سوچ نہیں پائی۔ زندگی قدم قدم پر اس کا امتحان لے رہی تھی۔ ایک حادثے سے نپٹ ہی نہیں پاتی کہ دوسرا حادثہ ہو جاتا۔ اسے لگا حادثے میرے لیے منھ کھولے کھڑے ہیں۔

اب جب وہ خود ہی پلٹ پڑی تھی کہ رونا ہی کوئی حل نہیں ہے۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ میں غلط ہاتھوں میں سونپ دی گئی ہوں۔ اس جہنم سے نکل کر اپنی زندگی خود ہی سنواروں گی...... اوراب یہ بندھن......۔ اب مجھے خوش ہونا چاہیے یا......؟

اس کے سارے احساس وجذبات گونگے ہو گئے۔ ایک زخمی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر پھیل گئی۔ اقرا کے ساتھ گھر آ گئی۔ خوابوں کی چڑیا پنکھ پھیلائے اس کے نفسیاتی پہلو پر بادبانی کرتے رہتے۔ اس کی آنکھوں میں پانی ڈبڈباتا رہتا۔ ریحان دوتین دن کی چھٹی لے کر آ جاتا۔

اِدھر اُدھر گھومتے، چبھتے جملے اچھالتا۔ گھر میں چھلاوے کی طرح آتا۔ کوئی نہ کوئی تیکھی بات اچھال کر چل دیتا۔ الفت خالا بھی آ کر جاتی۔ وقت گزرتا گیا۔ زینب نے بیٹے کو جنم دیا۔

ادھر ادھر گھومتے، چبھتے اس کے اندر ٹھنڈک پیدا کرنے لگا۔ اس میں ممتا کی محبت دکھائی دینے لگی۔ وہ آہستہ آہستہ نرم کومل سانسوں کو محسوس کرتی رہی۔

جب وہ نو زائیدہ بچے کو لے کر ہسپتال سے گھر آئی تو بہت خوش تھی۔ اسے لگا میری پوری زندگی بدل گئی ہے۔ بچا کتنی بڑی سچائی ہوتی ہے۔

جب وہ بچے کو لے کر دودھ پلاتی تو ایسا لگتا خوشی کے آسمان پر پہنچ گئی ہے۔ یہ تو ایک آسمانی رشتہ ہے۔

اسے لگا میری زندگی میں اس بچے نے آ کر سچے دوست کی کمی کو پوری کر دی۔ بیٹے کو پا کر وہ اس میں ڈوب گئی۔ دن بھر بیٹے کو لے کر مصروف رہتی۔ وہ چھوٹا بچہ کچھ نہیں سمجھتا لیکن وہ اپنے دل کی ساری باتیں اس سے کہتی۔

بچہ کچھ مہینے کا ہوا۔ ریحان اور الفت خالا اسے لینے آ گئے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اسے گاؤں جانا پڑا۔ انم بچے کی دیکھ ریکھ میں پوری مدد کرتی۔ زینب کو انم سے ہمدردی تھی۔ وہ بھی اسے خوش رکھنے کی کوشش کرتی۔ ریحان نے ساتھ لے جانے کو کہا۔

"نہیں ابھی بچہ چھوٹا ہے میں نہیں بھیج سکتی۔"

الفت خالا نے اسے گاؤں میں ہی روک لیا۔ بچہ چھوٹا ہے وہاں یہ کیسے سنبھالے گی۔ ساس کا یہ فیصلہ سن کر زینب کو بہت خوشی ہوئی۔ میں اپنے بچے کے ساتھ پورے وقت رہ سکوں گی۔ یہاں انم بھی بچے کی پرورش میں مدد کرے گی۔ گاؤں میں اکیلے رہنے کی اسے خوشی ہوئی۔

ریحان تو ہمیشہ اپنے آگے اس کی چلنے نہیں دیتا تھا۔اپنی عادت اور طور طریقے سے دنیا کا سب سے نرالا آدمی تھا۔اسے صرف اپنے مطلب سے پیار تھا، کسی بات کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ زندگی کا وقت تیز رفتار سے گزر رہا تھا۔ ہر گزرتے وقت کے ساتھ اس کے اندر نا گزیر رنگ ابھرتا جا رہا تھا۔اس کے پورے مزاج کی شکار صرف زینب تھی۔وہ اسے اپنی ملکیت سمجھتا تھا۔اپنا پورا حق جتاتا تھا۔

زینب کو کئی بار غصہ آتا، میری بھی کوئی عزت نہیں ہے۔میں کوئی موم کی گڑیا تو نہیں ہوں، اس لیے ریحان کی حرکتوں سے پریشان ہو کر سوچتی پوری زندگی کیسے گزرے گی۔ایک دن اس نے ریحان کو خط میں سب لکھ دیا۔

ریحان میں پڑھی لکھی عورت ہوں۔ مجھے تم پر بڑا ناز تھا۔میں نے سوچا تم مجھ سے محبت کرتے ہو،لیکن تمہارے رویے نے میری آنکھیں کھول دی۔تم صرف خود سے محبت کرتے ہو۔تم مجھ پر حکومت کرتے ہو۔میں تمہاری بیوی ہوں لیکن تم مجھے ایک نوکرانی سے زیادہ کچھ نہیں سمجھتے۔میں نوکری کرنا چاہتی ہوں، تم نہیں چاہتے میں مان گئی۔پھر بھی تم کسی بھی بات پر خوش رہنا نہیں چاہتے، بتاؤ میں کیا کروں؟

خط پا کر ریحان پر کیا اثر ہوا۔وہ نہیں جان پائی۔خط کا کوئی جواب آیا۔دس دن بیت گئے فون بھی نہیں آیا۔اب زینب کو فکر ہونے لگی۔یہ وہی زینب تھی جو ریحان سے دور رہنا چاہتی تھی۔اس کے بغیر آزادی سے سانس لینا چاہتی تھی۔لیکن آخر میں اسے لگا یہ ہٹ دھرم انسان ہی اب میرا سب کچھ ہے۔ایک دن اچانک ریحان کو اپنے سامنے پا کر خود پر قابو نہیں رکھ سکی۔اس کے سینے سے لگ کر روتے ہوئے بولی۔”ریحان آئی ایم سوری...... میں نے تمہیں کیا کیا لکھ بھیجا......“

”اچھا کیا مجھے جگا دیا۔تم نے اپنی باتوں سے بہت تکلیف پہنچائی، لیکن مجھ کو سوچنے پہ مجبور کر دیا۔اب سنو......زینب بیگم تم مجھے بدل نہیں سکتی۔ہم بیرون ملک جا رہے ہیں۔“

”کیا؟“

”ہاں زینب میری نوکری امریکہ میں لگ گئی ہے۔وہاں تم بھی نوکری کر سکو گی۔“ ریحان نے خوش ہو کر بتایا۔”تم تیاری کر لو اگلے ہفتے ہی ہمیں چلنا ہے۔وہاں تم دوسری عورتوں کی

طرح فضول خرچی نہیں کرو گی تو ہم بہت پیسہ کما کر لائیں گے۔‘‘

اس نے اپنی نظر اٹھا کر دیکھا۔اس کی آنکھوں میں سوال تھا کیا میں نے کچھ خرچ کیا ہے؟ابھی تک تو تم سے لے کر ایک روپیہ بھی خرچ نہیں کیا ہے۔

’’میں نے تو کبھی کچھ نہیں خریدا۔‘‘

’’ہاں تم تو کچھ خرچ نہیں کرتی۔‘‘اس نے ہنس کر کہا۔’’اتنے پیسے والے کی بیٹی اور اتنی کنجوس۔تعجب ہوتا ہے مجھے تم پر زینب۔تم تو پیار کرنے میں بھی کنجوس ہو۔‘‘

ریحان نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔’’تم تو محبت جتانے میں بھی کنجوس ہو‘‘ریحان ہنستے ہوئے بالا۔

زینب ان سب سے دور رہنا چاہتی تھی۔ریحان واپس کلکتہ چلا گیا۔بیرون ملک جانے کی سب تیاریاں کرنی ہے۔

اس نے ریحان کو مکمل طور سے قبول کرلیا ہے۔عورت خود پیاسی رہ کر مرد کو سیراب کرتی ہے۔تن من وار کر شوہر کے پیر کی خاک بن جاتی ہے لیکن پیار کی پیاسی ہوتی ہے۔وہ روہانسی ہو گئی۔پھر بھی کچھ حاصل نہ ہوا......ناول پڑھتے پڑھتے سسکنے لگی۔

اب گھر چھوڑ کر بیرون ملک جاتے ہوئے اسے سب یاد آنے لگا۔ریحان کا رویہ تو ہر لمحہ خوابوں میں چنگاری کی طرح بھڑکتا رہتا ہے۔وہ برداشت کرنے کی طاقت پیدا کرتی رہتی۔اس کے من میں سوال پیدا ہوا،کیا وہاں یہ بدل جائے گا؟

الفت اسے ماں سے ملانے لے گئی۔ریحان ممبئ آجائے گا اور یہ لوگ وہاں جہاز کے ذریعے بیرون ملک چلے جائیں گے۔انم سے وہ اس کے سسرال کے بارے میں سب معلوم کر کے آئی تھی۔اس کے شوہر سے ملنا چاہتی تھی۔شاید میں انم کے لیے کچھ کر سکوں،اسے بھی ساتھ لے آئی۔

ممبئ کے لیے ٹرین کے ذریعے ساس کے ساتھ جودھ پور سے روانہ ہوئی۔ٹرین کی رفتار تیز ہونے لگی۔پلیٹ فارم پیچھے چھوٹنے لگا۔وہ کھڑکی پر سر ٹکائے باہر کا منظر دیکھ رہی تھی۔اچانک اسے سعد کھڑا ہوا نظر آیا۔وہ اسے ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا۔زینب کے دل میں اچانک ہلچل مچ گئی۔کیا یہ یہاں ہے؟نہیں مجھے کچھ نہیں سوچنا ہے۔

اس نے اپنے سر کو جھٹکا دیا۔ٹرین اور فلیٹ فارم پر اسی طرح لوگ ملتے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے بچھڑ جاتے ہیں۔اس نے سوچا اچھا ہوا،اس نے پاس آ کر بات نہیں کی۔ساس کے ناراض ہونے کا ڈر تھا۔

وہ اداسی کو دور کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ایک سال کے بیٹے کے ساتھ کا سفر بہت ہی سہاونا لگ رہا تھا۔اب اسے اپنے چاروطرف ایک خوشی کا احساس ہو رہا تھا۔خود کو ایک عجیب صورت حال میں دیکھ رہی تھی۔کبھی خوشی کے تو کبھی اداسی کی تاریکی میں دھندلے چاند جیسا نظر آ رہا تھا۔

گھر پہنچنے پر اس کے اوپر خوشی چھا گئی۔سب سے مل کر اسے بہت خوشی ہوئی۔گالوں کے گلاب کھلے دیکھ کر جمیلہ کو بھی خوشی ہوئی۔اب اس کی آنکھوں میں کھارا پانی نہیں تھا۔

دیر رات پہنچنے کی وجہ سے کھانا کھا کر جلدی ہے سو گئی۔آج اسے بہت گہری نیند آئی۔صبح اس کا بیٹا 'عرش' اسے ننھے ہاتھوں سے اٹھا رہا تھا۔جمیلہ عرش کی آواز سن کر زینب کے کمرے میں آ گئی۔زینب اسے دیکھ کر مسکرائی ''دیکھو یہ شیطان مجھے سونے نہیں دیتا......''

جمیلہ اس کے لیے دودھ اور زینب کے لیے چائے لے آئی۔بستر میں بیٹھی زینب کی نظر بار بار کاشف کے کمرے کی طرف دیکھتے پائی تب اس نے بتایا۔

''زینب......کاشف کی ماں بیٹے کے دکھ میں اس کے پاس رہنے دبئی گئی ہے۔کاشف کی بیوی کا انتقال ہو گیا ہے۔اب اپنی دونوں بیٹیوں کے لیے ماں کو اپنے ساتھ رکھتا ہے۔''

''یہ کیسے ہو گیا۔''

''کار ایکسی ڈینٹ میں غزالہ مر گئی۔بڑی بیٹی پانچ سال کی اور دوسری بیٹی صرف دو سال کی ہے۔''

وہ خاموش بیٹھی رہ گئی۔کاشف کے ساتھ اتنا بڑا حادثہ ہو گیا۔دنیا میں کوئی خوش نہیں۔زینب جانتی ہے جمیلہ کو میری کاشف سے شادی نہیں ہونے کا بہت دکھ ہے۔وہ اور سارے نوکر عالیہ کو غلط کہتے ہیں کہ اس نے جان بوجھ کر ان کی شادی نہیں ہونے دیں،لیکن اسے یقین نہیں ہوا۔نوکر ہیں کچھ بھی کہہ سکتے ہیں۔

''بیگم صاب اور عالیہ میم کی دوستی ہے،فون سے سب بتاتی رہتی ہیں۔''

اسے وہ دن یاد آئے جب اس کا پیار بے باک ہوا تھا۔وہ ایک نئی دنیا میں پہنچ گئے تھے۔جگمگاتے چاند ستاروں کی دنیا میں۔بارش میں وہ اپنے بھیگے بھیگے جسم کے ساتھ فیروزی سوٹ پہنے صحن میں کھڑی تھی۔اس کے لمبے بال کھلے تھے۔کاشف نے آ کر اسے بانہوں میں بھرنے کی کوشش کیا تھا،اس کی ہمت پر وہ حیران رہ گئی۔معمولی سی مخالفت سے اسے آزادی مل گئی۔ان تھوڑے سے لمحوں میں ہی اس کی نس نس میں ایک عجیب سی کپکپاہٹ پیدا ہوگئی،عجیب سائنشیاتی کساؤ،وہ کساؤ آج تک اس کے جسم سے لپٹا ہوا ہے۔کاشف اس کی آنکھوں کے ذریعے اس کے دل میں اترتا جا رہا تھا۔جمیلہ ان دونوں کو تعجب بھی نظروں سے دیکھ رہی تھی،جب سے جمیلہ ان کی ہم راض تھی۔

وہ عشق کے ستر نگی جھولے جھول رہے تھے۔وعدے کیے جاتے اور قسمیں کھائی جاتی تھیں۔ایک لمحے کے لیے بھی دور نہ ہونے کی قسمیں کھائی جاتی تھیں۔آج کتنا دور چلا گیا۔اب ہم ایک دوسرے کے دکھ درد میں بھی شامل نہیں ہو سکتے۔

دو دن بعد میں بھی ملک چھوڑ کر چلی جاؤں گی۔اب ہمارا ملنا بھی نصیب میں نہیں۔اس کا دل درد میں ڈوبتا جا رہا تھا۔پچھلے دنوں کا سفر......ایک لمبا سفر۔اسے اپنے کمرے سے سسرال کے کمرے میں لے آیا تھا۔

ریحان کا گھر......اس اجنبی گھر میں......وہ اجنبی کی طرح گئی تھی۔اب وہ اپنا سب کچھ اس گھر کے حوالے کر کے رہ رہی تھی۔کسی کی بھابھی،کسی کی چاچی،کسی کی بہو......سب سے رشتہ جوڑ لیا تھا۔

اسے لگا ریحان کی بو اس میں سما گئی ہے۔وہ تو یہ رشتہ نبھانے کی کوشش میں خود کو بھلانے میں لگی ہے۔میری پوری زندگی اب اس خاندان کے لیے وقف ہے۔دوسرے دن ساس کو بتایا میں اپنی سہیلی سے ملنے جا رہی ہوں۔ماں کی گاڑی لے کر باہر چلی گئی۔انم کے دیے ہوئے پتے پر انم کے شوہر کے آفس میں پہنچی۔انور کے چپراسی کے ہاتھ اپنا نام لکھ کر بھیجا۔وہ حیران ہو کر سوچ میں پڑ گیا،یہ کون ہو سکتی ہے؟وہ سامنے جا کر کھڑی ہوئی۔اتنی خوبصورت لڑکی کو دیکھتا ہی رہ گیا۔

”آیئے......ڈاکٹر زینب میں آپ کو نہیں جانتا۔کہیے میں آپ کے کس کام آ سکتا ہوں۔“

''میں مسز ریحان ہوں۔''

''اوہ......'' وہ چونک کر بولا۔''اقبال صاحب کی بیٹی۔''

''ہاں ......آپ میرے رشتے میں سب سے بڑے ہیں۔اگر میری کوئی بات آپ کو بڑی لگے تو آپ مجھے معاف کیجئے گا، میں آپ سے ملنے آئی ہوں تو جان لو میری کوئی لالچ تو ہوگی ہی......''

''ہاں حکم دیں......'' زینب کے اس طرح کہنے سے انور کے ہونٹوں پر مسکان آ گئی۔

''میں اپنی شادی کا تحفہ لینے آئی ہوں انور بھائی۔'' زینب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''لائیں میرا تحفہ'' اس کے اس طرح کہنے پر اس نے مسکرا کر اٹھتے ہوئے کہا۔

''ہاں ہماری بھابھی ہم سے تحفہ لینے آئی ہیں تو ہم بھی پیچھے ہٹنے والے نہیں ہیں۔ چلئے ہم ابھی دلاتے ہیں آپ کو تحفہ......''

''نہیں ......میرا تحفہ تو یہیں ملے گا......اسی وقت......پورے سچے دل کے وعدے کے ساتھ''

''اچھا وعدہ کیا......انور حسین اپنے وعدے سے کبھی دغا نہیں کرے گا۔......بتائیے''

''بس مجھے پورا یقین ہے کہ آپ پر...... مجھے ان سے میرا مطلب انم باجی سے آپ کے گھر آ کر ملنے کی اجازت چاہیے۔ایک شرط پر کہ میں ان سے ملنے جاؤں تو وہ مجھے خوش ملے۔کیوں جناب وعدہ نبھانا ہے؟ یا پیچھے ہٹیں گے......''

''دیکھئے میں......'' انور نے مطلب سمجھ کر کچھ کہنا چاہا اس سے پہلے وہ بولی۔

''جدید سماج کا یہی المیہ ہے کہ سب سے قریبی تعلق شوہر بیوی کے ہوتے ہیں پر ہم اسے ٹوٹنے سے نہیں بچا سکتے ہیں......انور بھائی شروع کے دنوں میں ہر عورت میں سوچنے کی طاقت نہیں ہوتی ہے......جب عورت کسی کو بہت پیار کرتی ہے تو وہ بھی چاہتی ہے کہ اس کے شوہر کا مکمل حق اسے ملے، کسی دوسری عورت سے شیئر نہیں کر سکتی۔انم باجی کا جھگڑا ان کی آپ کے لیے محبت تھی نہ کہ نفرت......''

''لیکن ڈاکٹر بھابھی میں......''

''آج میں ہی بولوں گی، آپ کو بھی موقع ملے گا......اتنے سالوں میں آپ سمجھ گئے

ہوں گے بیوی کی جگہ سب سے الگ ہوتی ہے۔آدمی اپنی اولاد کے لیے کیا کیا کرتا ہے...... یہ آپ کا اتنا بڑا کاروبار کس کے کام آئے گا؟ آپ کا بیٹا دوسرا کوئی پالے آپ کے لیے......'' دونوں میں باتیں ہوتی رہیں اور انو سوچنے پر مجبور ہو گیا۔

''بس میں سمجھ گیا آپ کیا چاہتی ہیں۔آپ تو مجھے اپنی صفائی بھی نہیں دینے دیتی ہیں۔''

''کس لیے صفائی دیں گے...... کیا ہر ایک شوہر بیوی میں جھگڑا نہیں ہوتا ہے۔کیا عورت کا اپنے گھر پر کوئی حق نہیں ہوتا ہے...... میں جا رہی ہوں، اگر آپ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے تو سوچنا پڑے گا انم باجی کے لیے آپ کو......آپ مجھے آج شام تک فون کریں گے...... پروگرام کی خبر دیں گے۔میں دو دن بعد بیرون ملک جا رہی ہوں ...... وعدہ لیے جا رہی ہوں۔'' زینب نے اپنے موبائل نمبر لکھ کر دے دیے۔جاتے جاتے مڑ کر کہا۔''شکوہ شکایت کرنے سے بات بڑھتی ہے اس لیے نو شکوہ، نو شکایت۔''

وہ چپ چاپ بیٹھا کچھ سوچنے لگا۔

گھر پہنچ کر وہ فون کا انتظار کرتی رہی۔کسی کو کچھ نہیں بتایا۔ہر گھنٹی پر وہ ریسیور اٹھا لیتی۔ اقرا اور الفت اسے دیکھ کر سوچ میں پڑ گئیں۔شام ہو گئی، وہ اداس ہونے لگی۔صبح سے اس نے کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔

اچانک گھنٹی بجنے لگی۔کانپتے ہاتھوں میں زینب نے فون آن کیا۔کیا ہو گا جواب؟

''ہیلو......شام کو دعوت دے رہی ہیں آپ؟'' اُدھر سے آواز آئی۔

''کسی خوشی میں؟'' حالانکہ اس نے آواز میں خوشی محسوس کر لی۔

''میری پسند انم بتا دے گی...... میں اپنا وعدہ پورا کر رہا ہوں اس لیے سسرال میں دعوت تو ہونی ہی چاہیے......بھئی آپ کے گھر داماد آ رہا ہے۔''فون رکھ کر زینب نے خوشی سے چلاتے ہوئے انم کو بانہوں میں بھر لیا۔اس نے صبح انور سے ملنے کی بات بتائی۔سب کو بہت خوشی ہوئی۔

''ممی......انور بھائی ان ماں بیٹی کو لینے آ رہے ہیں......آج ہی شام کو......''

''آج ہی انور بھائی لینے آ رہے ہیں......''

اس نے پوری بات بتائی۔الفت خالا نے خوشی سے اسے گلے لگا لیا۔

زینب شاپنگ کرنے گئی۔انم اور اس کے بیٹے کے لیے کچھ کپڑے لے آئی۔

شام ہوتے ہی انور آیا۔سبھی خوش ہوئے۔

''زینب آج سے میری بہن ہو......میری ہمدرد......سچ میں بیوی بچوں سے دور رہ کر بہت بڑی غلطی کر رہا تھا......ہمدردی کے نام پر رشتے داروں نے بہت دھوکا دیا۔'' وہ جذباتی ہو گیا۔

☆☆☆

گیارہ

وہ بیرون ملک چلے تھے۔ایک دوست کے گھر میں تھوڑے دنوں کے لیے سہارا لیا۔

اس کی بیوی نوکری کرنے جاتی تھی اس لیے زینب گھر کا سارا کام نپٹا کر بچے کے ساتھ نوکری کے لیے کوشش کرتی۔ایک دن دوست کی بیوی 'اینا' نے مدد کر کے اس کے بیٹے عرش کو چائلڈ ہوم میں دن بھر کے لیے رہنے کا انتظام کروا دیا۔دن بھر وہاں رکھ کر رات کو گھر لے آتے۔

''زینب تمھیں جلدی ہی نوکری تلاش کرنی ہوگی ......نہیں تو یہاں کام کیے بغیر نہیں چلے گا۔'' ریحان کہتا۔

وہ نوکری کرنا بھی چاہتی تھی۔خود کو مجبور پاتی۔مختلف پریشانیوں کے باوجود وہ اپنی زندگی کی زمین کو ہموار بنانا چاہتی تھی۔ایک مہینے کی بھاگ دوڑ کے بعد اسے ایک ہسپتال میں نوکری مل گئی۔وہ اپنے بچے کو چھوڑ کر دوسروں کے بچوں اور عورتوں کی خدمت میں لگ گئی۔

ایک گھر کا انتظام بھی 'اینا' نے کروا دیا تھا۔اینا اس سے ہمدردی رکھتی تھی۔مکان مالکن ہندوستانی عورت تھی۔وہ تعلیم حاصل کرنے آئی تھی اور قسمت نے اسے یہیں روک لیا۔شادی کر کے گھر والوں سے رشتہ توڑ کر چالیس سالوں سے یہاں رہ رہی تھی۔دو دن میں ہی اس نے زینب کے زندگی کی سانحہ کو دیکھ لیا۔اس سے ہمدردی رکھنے لگی۔ریحان کی سخت حکومت، بے رخی، لاپرواہی کچھ بھی مکان مالکن مریم سے نہیں چھپا تھا۔

وہ سوچتی تھی میں اپنے بچے کو ہاسٹل میں نہیں رکھوں گی، لیکن ایک سال کا عرش دن بھر کے لیے چائلڈ ہوم میں اور رات کی ڈیوٹی ہوتی تو بھی چائلڈ ہوم کو سونپ دیا جاتا۔اس کے کوئی بچے نہیں تھے۔ایک مہینے میں ہی اس نے اپنے مکان کی کرائے دار اس لڑکی کے دکھ کو دیکھ لیا تھا۔شوہر کی لاپرواہی، سخت حکومت دیکھ کر وہ زینب کی برداشت کرنے کی طاقت سے متاثر ہوگئی۔

مریم اسے اپنی بیٹی کی طرح چاہنے لگی۔ہسپتال میں اسے ایک اچھی سہیلی ڈاکٹر نیلم بھی مل گئی۔

ریحان کا رویہ وہاں بھی ویسا ہی رہا۔ہر بات میں پیسہ بچانا ہے،ہم یہاں پیسہ کمانے آئے ہیں خرچ کرنے نہیں۔اس کی تنخواہ بھی اپنے قبضے میں کر لیتا تھا۔اسے بچے کے لیے بھی کم خرچ دیتا۔

ڈاکٹر نیلم اس کے لیے سچی دوست ثابت ہوئی۔دونوں اپنا کام نپٹا کر ڈیوٹی روم میں بیٹھ کر باتیں کرتیں۔اب وہ اکثر کاشف کے بارے میں سوچتی،کتنا اکیلا پن جھیل رہا ہوگا۔

''کیا محبت کے پیروں کے نیچے وجہ کی کوئی زمین نہیں ہوتی ہے؟......''ایک دن دونوں نے اپنی اپنی آپ بیتی سناتے ہوئے زندگی کے سفر کے اس سرگذشت کو بتایا جسے کوئی چاہتے ہوئے بھی بھول نہیں پاتا۔

دونوں ہی پچھلی زندگی سے ناخوش نہیں تھیں۔صرف تھکی ہوئی تھیں۔اسے لگ رہا تھا اس کے اندر کچھ مر گیا تھا اور مرنے والی چیز اس کا جسم ہے۔

''یہ دکھ دینے والی یادیں جو ہماری عمر ہمارے ساتھ اٹھائے پھرتے ہیں،بھول نہیں پاتے۔چاہے دو منٹ پہلے ہی آس پاس کا سانحہ بھول جاتے ہیں لیکن بچپن سے جوانی کی یادیں نہیں بھول پاتے ہیں۔''زینب نے کہا۔

''محبت اس پھول کی طرح ہوتا ہے جس کے اوپر کے حصے میں مٹھاس ہوتی ہے نیچے میں کڑواہٹ اور چاروں طرف کانٹے ہوتے ہیں۔''نیلم نے جیسے اس کی دکھتی رگ کو چھو دیا۔

''خدا نے مرد اور عورت کے درمیان ایک عجیب رشتہ بنایا ہے۔کبھی ایک گھونٹ امرت تو کبھی ایک بوند زہر۔کبھی غصے میں بھی پیار آتا ہے تو کبھی پیار میں بھی غصہ۔''

''مرد ہمیشہ اپنی جذباتی بھوک مٹانے کے لیے عورت کو پریشان کر کے اطمینان پاتا ہے۔''

''وہ کیوں نہیں سوچتا ہے کہ محبت تو ایک معصوم پاگل پن ہوتا ہے۔''

''ہاں...... ہر آدمی کو علم دیتا ہے محبت...... بہت کچھ سکھا دیتا ہے۔''

''جسم کے سبھی فعل ہوتے رہتے ہیں،مرتا تو صرف من ہے......''زینب بولی

اس دن زینب نے جانا میرا دکھ تو نیلم کے دکھ کے آگے کچھ بھی نہیں،اس نے تو عاشق سے بہت دکھ پایا ہے۔شوہر نے پیسہ اور دولت کے پیچھے ٹھکرایا ہے۔عاشق کی وجہ سے ماں باپ کا گھر چھوڑا پھر بھی شک نے گھر،گھر نہیں رہنے دیا۔

''تم میں بہت اچھائیاں ہیں زینب۔ یہ سیانا پن اور اچھائیاں بہت سے دکھوں کو جھیلے بغیر نہیں آتیں۔''

''تعجب کی حد تک دلیری کی ہے تم نے نیلم۔ میں اس دلیری کو سلام کرتی ہوں۔'' زینب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''زینب ہر لڑکی اپنے اندر بھلا برا سوچنے کی طاقت پیدا کر لے تو کئی زندگیاں سکھی ہو جائیں۔''

''عورت تو اس روٹی کے ٹکڑے جیسی ہوتی ہے، جسے اندر بند کر کے رکھتے ہیں تو سڑ جاتی ہے۔ باہر رکھ دی جائے تو کوے کھا جاتے ہیں۔ جب سب کو معلوم ہوا کہ میرے شوہر نے مجھے چھوڑ دیا ہے۔ کئی مرد مجھے برباد کرنے کی کوشش میں رہے۔ لڑکیوں کی دو بار پیدائش ہوتی ہے......ایک پیدا ہوتی ہے جب اور دوسری پیدائش شادی ہوتی ہے تب۔ دونوں پیدائش کے سکھ دکھ اس کے اپنے ہوتے ہیں۔''

مختلف مسائل اور پریشانیوں کے باوجود بھی وہ اپنی زندگی کی راہ کو ہموار بنانے میں لگی تھی۔

اب زینب کا درد اور اکیلا پن غائب ہو گیا تھا۔ اس کی جگہ پر ایک گہرا احساس کروٹیں لے رہا تھا۔ اسے لگا میرے اندر ایک منبع تھا وہ سوکھنے لگا تھا اب وہ مانو پھر سے بہنے لگا ہے۔ وہ اس میں نہا کر نکھر رہی ہے۔ ماں بن کر اس نے ساری دنیا کی خوشی حاصل کر لی ہے۔

اس میں گہرے ٹھہراؤ کا احساس لہرا رہا ہے، جیسے اس کی زندگی میں بہار آ گئی ہے۔ اس کے چاروں طرف آسمان سے گلاب جھڑ رہے ہیں۔ کبھی وہ پوری طرح آسمان میں چھپا چاند کو بھٹکتے ہوئے دیکھا کرتی۔

آج اس نے چھٹی لی تھی۔ بالکنی میں کافی کا پیالہ پکڑے بیٹھی تھی۔ مٹ میلے بادلوں سے آسمان ڈھکا تھا۔ ہوا شدت سے بادلوں کو دور کر آسمان کو چھونے کی کوشش میں ناکام ہو کر لوٹ رہا تھا۔ چمکتی ہوئی بجلی اور بادلوں کی گڑگڑاہٹ نے موسم کو خوش گوار کم بوجھل زیادہ بنا دیا تھا۔ اسے بارش اچھی لگتی تھی۔ پھواروں سے بھیگنا بہت اچھا لگتا۔ پھواروں سے بھیگ کر اپنے کو اندر تک شرابور محسوس کرتی۔

☆☆

بارہ

''محبت کی تھی میں نے ،اسے بہت چاہتی تھی میں۔ میری شادی بچپن میں ہوئی تھی۔ جوان ہوتے ہی سسرال والوں نے وداعی لے لی۔ سسرال لے جائی گئی لیکن اس شرط پہ کہ ایک مہینے کے اندر داماد کو اسکوٹر دیا جائے گا۔ اسکوٹر دلانے کا وعدہ میرے پاپا پورا نہ کر سکے اور کچھ دنوں کے بعد ہی کھوٹے سکے کی طرح میں گھر لوٹا دی گئی......کیا قصور تھا میرا......؟ میرے پاپا نے اس سزا کو بہت بھگتا ہے......کیوں کہ غریب ہونا قصور تھا ان کا؟'' نیلم پھیکی ہنسی ہنس دی۔

''پھر'' زینب نے بیتابی سے پوچھا۔

''پھر پاپا نے بہت کوشش کی میری ناؤ پار لگانے کی۔ میں ضد پر اڑ گئی...... میں شادی نہیں کروں گی۔ یہ پیسہ میری تعلیم پر خرچ کیا جائے۔'' میں نے سوچ لیا تھا جب میری قسمت میں شادی کی خوشی نہیں ہے تو پاپا کا روپے کیوں برباد کروں۔ میں نے پاپا کو راضی کر لیا، اپنی تعلیم شروع کر دی۔

''ماں دن رات لوگوں کے کپڑے سلتی۔ پاپا مکان بنواتے ،مزدوری کرتے ، پتھر ڈھوتے، پتھر توڑتے۔ ہم پانچوں بھائی بہن دن رات پڑھائی کرتے ،دونوں بہنیں ڈاکٹر ہیں۔ دو بھائی انجینئر ہیں اور ایک بھائی سی۔اے ہے۔'' بتاتے ہوئے نیلم کی آنکھیں بھر آئیں۔

''واہ یہ تو بہت اچھی بات ہے۔کبھی ہندوستان جانا ہوگا تب میں تمہارے ممی پاپا کے درشن ضرور کروں گی۔'' زینب نے عقیدت سے کہا۔

''میڈیکل کرنے کے بعد میری پوسٹنگ دہلی میں ہوئی۔ایک ڈاکٹر نے محبت کے نام پر مجھے ٹھگا اور وہ دوسری لڑکی سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ وہ مجھ سے شادی کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کی نہ نے میرے پاپا کی جان لے لی۔''

''پھر میری زندگی میں ایک حادثہ اور ہونا تھا، جس ہسپتال میں، میں کام کر رہی تھی، ایک دن اس میں ایک ایکسی ڈینٹ کا کیس آیا۔ میں نے 'ہیمنت' کی جی جان سے تیمارداری کی...... میری خدمت دیکھ کر وہ اپنا دل دے بیٹھا۔ ماں سے مل کر اسے راضی کر لیا۔'' بتاتے ہوئے اس کہ آنکھوں سے شعلے برسنے لگے۔

نیلم کو وہ دن یاد آ گئے۔

''بس جا رہا ہوں نیلم ......لیکن جلدی ہی واپس آؤں گا......'' اس نے نیلم کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ نیلم نے دھیرے سے ہٹا دیا۔ کارٹیج وارڈ کے باہر لانے کے لیے آگے بڑھی۔ ہیمنت نے اسے مسکراتے ہوئے دیکھا اور پھر اچانک کھینچ کر گلے لگا لیا۔

''میں سیدھے تمہارے گھر جا کر تمہاری ماں سے تمہیں مانگ لونگا۔'' ہیمنت نے اسے اپنی محبت کا بھروسہ دیا۔

ہیمنت چلا گیا۔ دونوں کو محسوس ہوا کتنا کچھ رہ گیا ہیمنت کا نیلم کے پاس اور نیلم کا ہیمنت کے ساتھ کتنا کچھ چلا گیا۔

میادی بخار کے بعد جیسے کوئی مریض زمین پر چلتا ہے تو اس کے پیروں تلے کی زمین ہلتی ہوئی لگتی ہے۔ اسے ہر وقت ایسے لگنے لگا کہ ہیمنت کے جانے کے بعد اس کے پیروں کے نیچے کی زمین کھسک رہی ہے۔ اس نے پھر دل دینے کی غلطی کر لی۔ سارا دن بے چین رہنے لگی۔ اس نے تو کبھی کسی کو دل نہ دینے کی قسم کھائی تھی۔

میری سب کچھ،

میں گھر پہنچ گیا ہوں۔ اب مجھے میرا کاروبار بھی نظر نہیں آتا۔ تمہارے پاس میں اپنا سب کچھ چھوڑ آیا ہوں، تمہاری ایک نظر مل جائے تو میں اس میں ڈوب جاؤں۔ تمہاری ممی کو راضی کر لیا ہے۔ جلدی ہی شادی کرنا چاہتا ہوں۔

تمہارا ہیمنت

اس نے جواب بھیجا تھا۔

''قسمت کا ماتھا جب دوبار گھائل ہو گیا ہے۔ گھاؤ ٹھیک ہو گیا لیکن گھاؤ کے نشان باقی ہیں۔ اس نشان کو مٹانا ممکن نہیں ہے۔''

''تم میری منزل ہو،ایک بار میری زندگی میں آ جاؤ۔ میں ایک ایک گھاؤ پر مرہم لگا کر ٹھیک کر دوں گا۔ میں پھر کچھ نہیں مانگوں گا۔''

ماں بھی آ گئی۔ اس نے بھی بہت سمجھایا۔ اسے ماننا ہی پڑا۔ ہیمنت نے نیلم کا دل جیت لیا۔ مندر میں شادی کر کے جا پہنچی ہیمنت کی دنیا میں۔

''اتنی دور بیٹھ کر بھی تم نے میرے دل پر ڈاکا ڈال دیا۔ لو میں آ گئی تمہارے پاس۔''

نیلم نے نئی زندگی کی شروعات کی۔ مکان بہت بڑا تھا۔ رہنے والے دو لوگ۔ کمرے میں پھول سجے تھے۔

''لگتا ہے مریض کو بہت خوبصورت مرض ہوا ہے۔'' وہ خوش ہو کر بولی۔

''ہاں......یہ پھول تمہارے لیے ہے......جیسا ڈاکٹر ویسا مرض بھی خوبصورت''

دونوں ہنس پڑے۔ کچھ دن ساتھ رہتے ہوئے ہیمنت نے کہا ''مجھے یہ سب ایک خواب کی طرح لگتا ہے۔'' محبت کی آنچ سے نیلم کا چہرہ دمک رہا تھا۔

نیلم کی گھر گرہستی سجنے لگی۔ کچھ ہی دن بیتے تھے۔ نیلم نے ہیمنت کے چہرے کی بناوٹ کو دیکھ کر کہا۔ ''ہیمنت جی مجھے آپ کے چہرے کی پہچان ہو گئی ہے۔ بتایئے کیا بات ہے؟''

ایک لمبی سانس لیتے ہوئے اور نیلم کو دیکھتے ہوئے بولا۔ ''تمہارے پاس مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے......جیسے......''

''جیسے کیا......؟ کیا محسوس ہوتا ہے؟ بتایئے نا......''

''جیسے......جیسے......''

''جیسے......جیسے......کیا؟''

''تمہارے ساتھ......پہلے بھی کسی نے......تم نے کس کس کو یہ حق دیا تھا؟ ان کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں؟'' شیشے کے پیالے میں جیسے اچانک چٹکنے کر نشان آ گیا۔

ایک سوال......اس کے پورے وجود کو ہلا کر رکھ دیا۔ پورا جسم تھرتھرا گیا۔

''تو اس نے میرے وجود پر پتھر مار ہی دیا۔'' نیلم کے اندر سب کچھ ایک ہی بار میں جل گیا۔

صوفے کے پیچھے کھڑی نیلم نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر نرم لہجے میں بولی۔ ''اپنی زندگی کی پوری داستان بتائی تو تھی میں نے آپ کو......اب یہ سوال کیوں؟'' اس کی آنکھیں جل اٹھی۔

''بس یونہی مجھے معلوم تو رہنا چاہئے وہ کون تھا۔ مستقبل میں کبھی......''

''مستقبل میں کیا......؟ تم سوچتے ہو میں پھر اس سے رشتہ جوڑ لونگی؟ اف...... کتنی گھٹیا سوچ ہے تمہاری۔'' وہ ہیمنت کی عزت نہ کر سکی۔

''ارے اس میں برا کیوں مانتی ہو......میں نے تو بس یونہی پوچھ لیا۔''

''ہیمنت کوئی تمہاری زندگی میں بھی تو تھی۔ چاہے تم نے کہا کہ تم اس سے محبت نہیں کر پائے لیکن میں نے تو دل میں شک نہیں پیدا کیا۔

ہیمنت نے اسے غصہ ہوتے دیکھا تو اٹھ کر اسے بانہوں میں بھرنا چاہا۔

''نہیں بس ......شیشے میں آئی درار کبھی نہیں مٹتی۔'' کہتے ہوئے نیلم کی آنکھوں میں شعلے بھڑکنے لگے۔

''کیا عورت کو ہمیشہ شک کے گھیرے ہی میں رہنا ہوگا؟ مرد کا کردار چاہے خود اچھا نہ ہو لیکن بیوی اچھی کردار کی ہی چاہتا ہے۔'' نیلم کے بتانے پر زینب کو بھی غصہ آ گیا۔

''جب تک کوئی عورت حاصل نہیں ہوتی مرد اسے حاصل کرنے کیت لیے بے چین رہتا ہے، جب وہ اسے مل جاتی ہے تو وہ اس کے دل سے اتر جاتی ہے۔''

''میں اس گھر میں ٹھہر نہیں پائی۔'' نیلم کے آنکھوں سے آنسوؤں کی قطار بہہ چلے۔ زینب کی آنکھیں بھی بھر آئیں۔

''مجھے اپنی سالمیت کو کھو کر نہیں جینا ہے۔ ہیمنت جب سب جانتا تھا تو یہ سوال کیوں تھا......اس کا شک......''

''ہر چیز ویسی ہی دکھائی دینے لگ جاتی ہے جس طرح ہم انہیں دیکھنا چاہتے ہیں۔ جب ایک بار اس کے دل میں یہ بات آ گئی تو وہ ہمیشہ ویسا ہی سوچے گا۔''

''دوسری بات اس نے اعتراض کیا، اتنی جلدی بچہ......تم ڈاکٹر ہو دوائی لے لو۔''

''تمہارا تو صرف ایک حصہ ہے اور میرا تو سب کچھ...... میں اپنے ہاتھوں سے اسے کیسے ختم کر دوں؟ میر جسم کا حصہ ہے یہ......اتنی پاگل تو میں نہیں ...... میرا جواب تھا۔''

اسی دن میں واپس آ گئی۔ آٹھ مہینے کا ساتھ اور تین مہینے کا حمل...... سب ماں کو ہی تو سنبھالنا تھا۔ پھر میں یہاں آ گئی۔ 'ایشان' ماں کے پاس ہے۔

''شہر ہو یا گاؤں ...... ملک ہو یا بیرون ملک ...... ہر جگہ کے مرد کی سوچ ایک جیسے ہی ہوتی ہے۔ کچھ غیر متوقعے سانحے عورت کو زندگی کے کس چوراہے پر لا کر کھڑا کر دیتے ہیں۔ امید ناامید کی لہروں کے بیچ بھی عورت ہمت اور حوصلے سے کام لیتی ہے تو کنارہ پا لیتی ہے۔''

''ہاں عورت کو اپنے ضمیر اور وقار کی سختی سے حفاظت کرنی چاہیے۔ اسی سے کامیاب ہوتی ہے عورت۔

''اچھا بتاؤ زینب طوائف کسے کہتے ہیں۔''

''جو دھندھا کرتی ہو۔''

''دھندھے کا مطلب کیا؟''

''وہی جو مرد پیسہ دیتا ہے...... وہ تو اپنی بیوی کو بھی دیتا ہے۔''

''ہاں......''

''پگلی ...... عورت کے لیے مرد اور مرد کے لیے عورت اتنے ہی ضروری ہیں جتنا زندہ رہنے کے لیے کھانا، پانی اور ہوا۔ اب اس رشتے کو تم چاہے جو نام دو۔ گرل فرینڈ بوائے فرینڈ، شوہر بیوی یا پھر گاہک طوائف ...... یہ سب مردوں نے چالاکی سے دیواریں بنائی ہیں۔ عورت ان کے گھر آ جائے۔ کسی اور سے نہ ملے، چاہے اس کا شوہر اس کے ساتھ وفادار نہ ہو۔ اگر عورت کو کوئی مرد اچھا لگ جائے تو وہ بد اخلاق کہلاتی ہے۔ ہیمنت کی سوچ ...... کتنی گھٹیا تھی۔ کیا کوئی عورت ایسے آدمی کے ساتھ زندگی بھر سکون سے رہ سکتی ہے؟''

''رسم و رواج میں قید رہ کر ہندوستانی عورت ٹی۔ بی کی مریض بن کر مر جاتی ہے۔ اپنے شوہر ...... اس کے پاؤں دباتی ہے، اس کی خدمت کرتی ہے، اس کے بچے پیدا کرتی ہے اور ان کی پرورش کرتے ہوئے بوڑھی ہو جاتی ہے...... پھر بھی ایک مرد ...... شوہر کے ہاتھوں پٹتی ہے۔'' زینب کے من میں عورت کے حالات پر بہت غصہ آیا۔

''سچا پیار کیا ہے...... سب کو کیوں نہیں ملتا؟''

''جس سے شادی کا مقدس بندھن مضبوط ہوتا ہے، وہی سچا پیار ہوتا ہے۔'' نیلم بولی۔

''شادی کی تہہ میں سب سے پہلے خلوص ضروری ہے۔ جسے چاہیں تو پیار بھی کہہ سکتے ہیں۔ کوئی شادی اگر باہمی خلوص ...... پیار کی بنیاد پر کھڑی نہ ہو تو اس میں کوئی اخلاقی ذمے

داریا ی نہیں رہتی ۔مرد اپنی خود غرضی میں ...... اکثر زندگی میں زیادہ تر کچھ مہینوں کے لیے، کبھی صرف کچھ ہفتے کے لیے، دنوں یا گھنٹوں کے لیے ہی پیار کا رشتہ رکھتا ہے۔''

''کوئی مرد کسی عورت کو ساری زندگی پسند کر سکتا ہے، یہ ممکن نہیں ہے...... جب کہ یہ احساس دونوں طرف برابر ہوتا ہے۔''

''اس کے علاوہ مرد اور عورت کے رشتے سے امکان کے تاثر کی جگہ پر تکان کا رشتہ بھی کام کرتا ہے۔زندگی بھر ایک ہی مرد یا عورت کا چاہنا......لیکن جب جسمانی محبت کی بات کرتے ہیں تو کیا محبت کی بنیاد خیالوں کی آہنگی اور روحانیت ایک جیسی نہیں ہوتی؟'' ہوتی ہے نہ تبھی ایسا ممکن ہوتا ہے۔

''پوری دنیا میں شوہر بیوی کا رشتہ زیادہ تر لوگ اسی طریقے سے رکھتے ہیں۔اکثر لوگ زندگی بھر آخری وقت تک وفاداری نبھاتے ہیں۔''

''مگر ایسے لوگ جو شادی میں جسمانی تعلق کے علاوہ کوئی چیز نہیں دیکھتے ان کی شادیاں دھوکا ثابت ہو کر بکھر جاتی ہیں۔''

''ایسا لگتا ہے مرد کی عورت سے دشمنی شادی کے دن ہی سے شروع ہو جاتی ہے، ایسا نہیں لگتا۔'' کہتے ہوئے زینب ہنس دی۔

''ڈاکٹر ایک عورت درد سے کراہتی آئی ہے...... جلدی چلئے اس کی حالت خراب ہے۔''نرس نے آ کر نیلم کو کہا۔نیلم کے ساتھ وہ بھی اٹھ کر تیزی سے مریض کے پاس پہنچی۔

''شوہر بیوی زندگی بھر ساتھ رہتے ہیں، پھر بھی مرد اپنی ذمے داری کو کیوں بھول جاتا ہے...... سچائی کو قبول نہیں کرنا چاہتا، جس کے بارے میں اسے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کو قدرت نے اس ڈھنگ سے بنایا ہے کہ حاملہ ہو جاتی ہے۔ایسی جسمانی حالت میں مرد اور عورت کا جسمانی تعلق ماں اور بچے دونوں کے لیے نقصان دہ ہوتا ہے۔اب دیکھو اس کو کتنی تکلیف ہو رہی ہے......اس بات کو سمجھنا چاہیے۔کب تک عورت کی ایسی حالت ہوتی رہے گی...... کب تک؟''

''اپنی عقل کو کام میں لانا کوئی مشکل کام تو نہیں ہے۔زینب نے غصے کے ساتھ جوش میں بولی، یہ قدرت کے اصولوں کے سیدھے خلاف ہے۔حاملہ عورت کو اپنے پیٹ میں بچے کو پالنا ہوتا ہے۔پھر دودھ پلانا ہوتا ہے اور ساتھ ساتھ شوہر کی خواہش بھی پوری کرنی پڑتی ہے۔کوئی

بھی جانور اس طرح کی زبردستی کو نہیں اپناتا۔مگر مرد کچھ وقت برداشت کرنے کی نہیں سوچتا......کیا آدمی کے اندر جانور کی جتنی بھی عقل نہیں......''

''عورت نئی پیڑھی کو جنم دیتی ہے۔انسانی نسل میں اضافہ کرتی ہے۔مرد کو سوچنا چاہیے......عورت کی آزادی کی باتیں کرتے ہیں لیکن عورت کی غلامی کی بات ہے کہ مرد اسے اپنی تفریح کا ذریعہ بنائے رکھنے کی خواہش رکھتا ہے۔اسے انسان نہیں سمجھتا ہے۔پھر بھی اسے آزادی دینے کا ڈھکوسلا کرتا ہے۔برابری کا حق دینے کی بات کرتا ہے پھر بھی استعمال کرنے کی چیز ہی سمجھتے ہیں۔''

''بچپن سے عورت کو تعلیم دی جاتی ہے کہ اسے خادمہ بن کر جینا ہے اور وہ خادمہ ہی بنی رہتی ہے اور مرد مالک۔

تیرہ

آج چھٹی لی ہے، شوہر کے آفس جانے کے بعد وہ بالکنی میں جا کر بیٹھی۔ اچانک بادل آئے اور بارش ہونے لگی۔ تیز ہوا کے جھونکوں کے ساتھ بوچھار اندر آنے لگا۔ اس نے تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے جلدی سے کھڑکیاں بند کر دیں۔ تھوڑی ہی دیر میں بارش رک گئی۔ یہاں شوہر کی نوکری ہی ایسی تھی کہ وہ بہت مصروف رہتا۔ شوہر کے مصروف رہنے سے اسے زندگی میں سوکھا پن لگتا تھا۔ پیار اور اپنے پن سے زندگی کی ڈگر پر کوئی ساتھ چلتا تو زندگی کچھ اور ہی ہوتی۔ شوہر کا ساتھ ہوتے ہوئے بھی وہ تنہا ہے۔ خوابوں کی چڑیا پنکھ پھیلائے اس کی نفسیات پر بادبانی کرتے رہتی تھی۔ ویسے جب شوہر گھر پر نہیں رہتا ہے اس وقت اسے کچھ سکون ملتا ہے۔

رات کا جھگڑا اسے بے چین کر رہا تھا۔ بچے کو کھلا پلا کر اسے آرام سے سلا کر کھانا تیار کر لونگی۔ ریحان اور اس کے بیڈ پر ہی عرش کو سلانے کی کوشش کر رہی تھی، سوچا بعد میں اس کے بستر پر سلا دونگی۔

ماں بننے کے احساس نے اسے بچے کو سنبھالنا سکھا دیا تھا۔ شروع سے ہی وہ بچے کو پورا پیار دینے اور اچھی تعلیم دینے کی سوچتی۔

ریحان نے آتے ہی کہا۔ بیڈ پر سے ہٹاؤ اسے۔ ''ابھی نیند آئی ہے اسے تھوڑی دیر یہاں سونے دو۔''

''میں تمہارا شوہر ہوں، تمہیں میرا کہنا ماننا ہی پڑے گا۔''

زینب نے سر اٹھا کر دیکھا۔ اسے تعجب ہوا، اس میں اتنا ناراض ہونے کی کیا بات ہے؟ اس کے روئیں روئیں میں ریحان کے لیے غصہ بھر گیا۔ اسے غصے میں کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ ریحان کی زوردار چیخ سے بچہ رونے لگا۔ وہ چپ چاپ لیٹی رہی، یہ بچہ ان کا بھی ہے۔ خود

بھی تو اٹھا سکتے ہیں۔ بچہ اور زور زور سے رونے لگا۔

''میں کہتا ہوں اٹھا ؤ اسے۔''

زینب نے عرش کو گود میں اٹھا کر سینے سے لگا لیا۔ بچہ چپ ہو گیا۔لیکن زینب اپنا رونا نہیں روک سکی۔کتنی مجبور ہے۔ بچے کو اس کے بستر پر سلا کر پلنگ کے ایک کونے پر لیٹ گئی۔ ریحان اپنی خواہش پوری کرنے لگا۔ایسی بے رحم رات ...... زینب نے ہر لمحہ مر کر گزاری۔اُسے ایک لاوا جیسا اپنے چاروں طرف دہکتا دکھائی دے رہا تھا۔زینب سوچ رہی تھی چھوٹا بچہ بھی میرے لیے تڑپتا ہے۔میں ماں ہو کر بھی اس کے لیے کچھ نہیں کر پاتی ہوں۔

''تم تو مجھ سے محبت کا دم بھرتی تھی نہ...... ہر پل جتاتی تھی نہ مجھے......اب یہ منحوس صورت کیوں بنالی ہو؟''

''دیکھو زینب تم بات بات میں ضد کرتی ہو۔تم نے ابھی تک صرف میرا پیار دیکھا ہے۔تمہیں میری طبیعت کا اندازہ نہیں ہے......'' وہ اسے خاموش دیکھ کر اور زور سے چلایا۔ ''عورت شوہر کی خواہش کو کبھی نہ نہیں کہہ سکتی، ہمارے مذہب میں حکم ہے میں نے پہلے بھی تمہیں بتایا تھا۔''

زینب تعجب بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی، اتنا ناراض ہونے کی تو کوئی بات ہی نہیں تھی۔

''اندازہ ہو گیا ہے، مجھے بہت اچھی طرح سے ہو گیا ہے۔ دھیرے دھیرے اور سامنے آجائیں گے تمہارے رنگ...... مطلبی ...... بے رحم۔'' وہ من ہی من بولی۔

''میں بے وقوف تھا جو اقرا خالا کی چکنی چپڑی باتوں میں آ گیا۔اب غلطی سدھارنی ہی ہوگی۔'' ریحان نے کہا۔

زینب نے بھی دل ہی میں کہا۔''ہاں اب غلطی سدھارنی ہی پڑے گی۔''

مرد شادی کر کے عورت کا مالک ہو جاتا ہے۔عورت شادی کر کے مرد کی غلام ہو جاتی ہے۔ بیوی شوہر کی خوش آمد کرتی رہے، اس کے اشاروں پر ناچتی رہے تو اس کے لیے مرد کا پیار ہے، کپڑے ہیں گھر ہے لیکن عورت نے ذرا سا بھی اپنی مرضی کا اظہار کیا......تو پھر وہ اس کے لائق نہیں ہے۔

اس کی بے بس آنکھیں اس پتھر دل انسان کو حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ جیسے پوچھ رہی

ہو کہ جذباتوں اور قربانیوں کی کوئی قیمت نہیں۔ میں تم سے کسی بات کی شکایت نہیں کرتی تھی، جیسا کھلایا.....کھایا.....جیسا پہنایا..... پہنا اور جو کام کرنے کے لیے کہتے......کرتی رہی۔

اس کا دل چاہا اڑ کر اپنے گھر واپس چلی جائے۔ پڑھی لکھی.....نوکری پیشہ بیوی سے ایسا رویہ؟ اس کی نظر میں میری مان مریادا کچھ نہیں۔ پھر بھی اس کے اندر شوہر کی مخالفت کرنے کی طاقت نہیں۔ ریحان اپنی ہی دھن میں زینب کو پریشان کر لیتا اور اسے خیال بھی نہیں آتا۔ بچے کے لیے بھی اس کا رویہ ایسا ہی تھا جب پیار کرتا تو بہت کرتا۔ کبھی ان سب سے بے فکر بن جاتا۔ زینب کو رات بھر نیند نہیں آئی۔ بہت دیر تک گھٹنوں پر سر رکھے بیٹھی رہی۔ ذلت کی سخت اذیتیں کسی کوڑے کی طرح اس کے دل پر پڑ رہے تھے۔

شوہر کو خوش رکھنے کی ہر ممکن کوشش جو ایک بیوی کر سکتی ہے، اس نے کی، لیکن اس بھلے آدمی پر کوئی اثر نہ ہوتا۔

غصہ اور گلے شکوے نے اس کے جذباتوں کو اس طرح تحریف کر دیا جیسے میلی چیز صاف پانی کو کر دیتی ہے۔ لیکن زینب اپنا تحمل نہ کھوتی۔ چاروں طرف گہری تاریکی تھی۔ آج صبح کے جھگڑے سے اسے دن بھر کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا اور اب یہ غصہ۔

بچہ پیدا ہونے کے بعد زینب کا زیادہ تر وقت بچے کے ساتھ خوشی سے گزرتا۔ بچے کے ساتھ خوش رہنے سے اس میں نکھار پیدا ہو گئی۔ سفید گلاب کی طرح بے داغ چہرا اور نکھر گیا۔ سیاہ آنکھوں میں لامحدود چمک...... گلابی ہونٹوں کی کلیاں خاموش ہوتے ہوئے بھی مسکراتی ہوئے لگتیں۔

ڈیوٹی پر جاتی تو بالوں کو کس کر جوڑا بنا لیتی، جو اس کی سادگی میں چار چاند لگا دیتا۔ کئی مرتبہ ریحان کے ذریعے دی گئی دھمکیاں زینب کو سوچنے پر مجبور کر دیتی۔ لیکن وہ عرش کے مستقبل کے بارے میں سوچ کر خاموش رہ جاتی۔ ریحان آفس یا ٹور پر جاتا تب دونوں ماں بیٹے کو ساتھ رہنے کا بہت وقت ملتا۔

وہ نیلم کو ہمیشہ کہتی۔ ''مجھے میرے بچے کا مستقبل کسی بھی قیمت پر اچھا بنانا ہے۔ اکیلی بھی بنا سکتی ہوں پر بچے کو باپ کا سایہ بھی ملنا ضروری ہے، اس کے لیے میں تکلیف اٹھا لونگی۔''

''زینب اتنا برداشت کر کے بھی تم خود کو سنبھالے رکھتی ہو...... سچ میں ہمت کا کام

ہے۔ میں تمہاری دلیری کو سلام کرتی ہوں۔''

''نیلم! ہر لڑکی کو اپنی زندگی میں کوئی نہ کوئی جنگ لڑنی پڑتی ہے۔ وہ خود میں طاقت پیدا کر لے تو زندگی میں منزل حاصل کر لیتی ہے۔

چودہ

آج اس کا من بہت بے چین تھا۔ آج چھٹی تھی، وہ گھر ہی پر تھی۔ دروازے کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے دروازہ کھولا۔ سامنے ایک امیر انگریز عورت کھڑی تھی۔

''کیا یہ ریحان کا گھر ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''ہاں.........آیئے''

اس عورت کو جیسے کسی بات پر یقین نہیں آرہا تھا۔ اس نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی پرچی کا نمبر دوبارہ دیکھے۔ پھر اعتماد بھرے قدموں سے اندر آ گئی۔

''کب آئے گا ریحان؟'' اس نے پوچھا۔

''کچھ کہہ نہیں سکتی......آپ......'' زینب اس سے کچھ پوچھتی اس سے پہلے اس نے پوچھا۔

''آپ کون ہیں؟''

''میں ان کی بیوی......زینب''

رات کو ریحان کا رویہ کچھ زیادہ ہی خراب تھا۔ صبح سے اس کا موڈ خراب تھا۔ وہ نہائی دھوئی بھی نہیں تھی۔ بال بکھرے تھے۔ اس نے سوچا ریحان کی ملنے والی آئی ہے اور میں اس حال میں۔ یہ کیا سوچے گی؟ وہ شرمندہ سی ہوگئی۔

زینب نے اسے بیٹھایا۔ اس عورت نے زینب کا جواب سنا تو اسے لگا اب میں کھڑی نہیں رہ سکوں گی۔ وہ جلدی سے بیٹھ گئی۔ دو لمحے کے لیے دونوں اپنی اپنی سوچ میں کھو گئیں۔

''میں ریحان کے ساتھ انجینئر ہوں۔''

''آپ کا نام کیا ہے؟''

''صوفیہ'' اسے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کروں؟ زینب کو بتادوں یا نہیں۔

زینب اسے سوچ میں پڑی دیکھ کر کچھ سمجھ رہی تھی کہ ضرور کوئی ایسی بات ہے جو یہ کہنے میں ہچکچا رہی ہے۔

''صوفیہ ریحان سے ملنے آئی ہو؟ آرام سے بیٹھو'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اتنی خوبصورت ہوتے ہوئے بھی......؟ وہ من ہی من کچھ سوچ رہی تھی۔ ''مجھے دھوکا دیا گیا۔'' خیال آتے ہی اس کے چہرے پر پسینہ آگیا۔ اسے زمین گھومتی ہوئی نظر آنے لگی اور وہ چکر کھا کر گرنے لگی۔ اس نے اسے تھام لیا۔

''کیا آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے؟ رکو میں پانی لاتی ہوں۔'' زینب نے فریج سے بوتل نکال کر دی۔ پانی پلانے کے بعد اسے پلنگ پر لٹا کر اس کا ہاتھ پکڑ کر نبض چیک کرنے لگی۔

''کیا آپ ڈاکٹر ہیں......؟'' اسے بے حد تعجب ہو رہا تھا۔

وہ عورت زینب سے سال دو سال بڑی لگ رہی تھی۔ اپنے دونوں ہاتھ سر پر رکھ کر کچھ سوچنے لگی۔ زینب کے دل میں اس کے لیے ہمدردی پیدا ہوگئی۔ معلوم نہیں کس پریشانی میں ہے۔ زینب اسے پریشان دیکھ کر سوچ میں پڑ گئی۔

''تم آرام سے بیٹھو میں کافی لاتی ہوں۔''

''زینب کا برتاؤ ایسا تھا مانو کوئی چھوٹی لڑکی کو دلار رہی ہو۔ وہ کافی لے آئی۔

دونوں آمنے سامنے بیٹھ گئیں۔ وہ لڑکی بہت پریشان سی لگ رہی تھی۔ کچھ کہنے میں ہچکچا رہی تھی۔ زینب کے رویے نے اس کا دل جیت لیا تھا۔

''تم مجھے بتاؤ ریحان سے کیا کام ہے؟ میں تمہاری مدد کروں گی۔''

''سسٹر میں اپنی غلطی مانتی ہوں...... ہم دونوں ایک ہی آفس میں ہیں۔ میں اسے دل دے بیٹھی۔ اس نے جھوٹ بولا کہ آپ اسے پسند نہیں کرتیں...... آپ تو اتنی خوبصورت ہیں...... دل کی اچھی ہیں...... میری غلطی ہے مجھے پہلے پوری جانکاری حاصل کرنی تھی۔''

''اب کیا دقت ہے، تم بے فکر ہو کر بتا سکتی ہو میں تمہاری مدد کروں گی۔''

''اس نے مجھے کہا تھا میں تم سے شادی کر کے تمہیں ہندوستان لے جاؤں گا۔ اب میرے پاپا اپنی زندگی میں ہی میری شادی کرنا چاہتے ہیں۔ یہ شادی کرنے سے منع کرتا ہے۔''

''تمہاری دوستی کب سے ہے؟ زینب نے خود کو قابو میں کرتے ہوئے پوچھا۔

''قریب دو سال اور چار مہینے سے......''

''مطلب ہمارے یہاں آنے کے چھ مہینے بعد ہی سے......''

''ہاں''

زینب کو تعجب ہوا، مجھے ریحان کے اس کام سے دکھ یا نفرت کیوں نہیں ہو رہی ہے؟ بلکہ میرے اندر ایک ٹھنڈک سی پیدا ہو رہی ہے۔

''مجھے معلوم ہوتا کہ اس نے ساری باتیں جھوٹ بتائی ہے تو میں......''

''اب تم چاہتی ہو میں تم دونوں کے راستے سے ہٹ جاؤں۔'' اس نے پوچھا۔

''نہیں اب میں ایسا نہیں چاہتی۔ جس وقت میں آئی تھی میرے دل کی حالت ٹھیک نہیں تھی۔ میں جھگڑا کر کے...... ہر حالت میں آپ کو گھر سے نکالنا چاہتی تھی۔ اس نے مجھے حاملہ بنا دیا ہے......اب کہتا ہے میں شادی نہیں کر سکتا۔''

''کب کہا؟''

''دو دن پہلے......وہ ہمارے گھر میں ہی میرے ساتھ رہتا تھا۔ آپ کو کہہ دیتا تھا میں ٹور پر جا رہا ہوں۔''

''اس سے پہلے تم نے اتنے لمبے وقت میں کچھ کیوں نہیں سوچا؟''

''اس نے بتایا تھا کہ تمہاری نوکری کا معاہدہ دو سال کا ہے، پھر وہ آپ کو ہندوستان بھیج کر مجھ سے شادی کر لے گا۔''

''لیکن میرا تو ایسا کوئی بندھن نہیں ہے...... تمہیں بتایا تھا کہ میں کیا کام کرتی ہوں''

''ہاں......کہا تھا آپ کسی میڈیکل اسٹور میں کام کرتی ہیں۔''

''جھوٹ پر جھوٹ۔ اس نے ابھی کچھ دن پہلے کہا تھا آپ کا ٹکٹ بنوا دیا ہے، آپ جانے والی ہیں۔'' اس نے کچھ رک کر کہا ہے اور کہیں بلا وجہ ہی تعلق کا اظہار ہوا اٹھتا ہے۔ لیکن زینب نے اپنے ضمیر اور عورت کے وقار کی مضبوطی سے حفاظت کی۔

''تمہیں کیا معلوم عورت کے دکھ کتنے لمبے ہوتے ہیں...... بچپن میں اپنے ہی گھر میں پرائی سمجھی جانے والی...... جوانی ہو یا بڑھاپا، پرائی ہی سمجھی جاتی ہے۔''

''گناہ چاہے مرد کرے سزا عورت کو ہی بھگتنی پڑتی ہے۔اب ریحان کا گناہ تھا تمہیں بھگتنا......لیکن در در کی ٹھوکر کھانی پڑے گی تمہیں یا مجھے...... پر کیوں؟''

اب زینب کو اپنی بربادی کا احساس ہو گیا تھا۔اسے معلوم تھا لفظ کبھی تکلیف کے میزان نہیں ہوتے۔خاموشی توڑنے کے لیے دونوں کے پاس الفاظ نہیں تھے۔وہ اٹھی من ہی من اس گھر کو وداع کہا اور اندر چلی گئی۔

زینب کو محسوس ہوا بے وفائی کی طوفان میں کھڑی محبت کیا چراغ جلانے کی سراسر بے وقوفی اب میں نہیں کر سکتی۔اب فیصلہ تو کرنا ہی ہے۔ایسے وقت میں ایسے حالات نہ نگلتے بنتے ہیں اور نہ ہی اگلتے۔لیکن جب وقت آتا ہے تو کوئی فیصلہ تو لینا ہی پڑتا ہے۔

کچھ دیر بعد واپس آ کر بولی۔''یاد رہے تم ابھی کہیں نہیں جاؤ گی۔اب یہ گھر تمہارا ہے''

''میرا؟''

''ہاں...... یہ گھر تمہارے بچے کے باپ کا ہے۔اس لیے تمہیں بھی اس کے ساتھ یہیں رہنا ہے۔

''نہیں سسٹر نہیں۔'' وہ اچانک کھڑی ہو گئی۔

''بہن بھی کہتی ہو، کہنا بھی نہیں مانتی ہو۔چلو بیٹھو۔'' زینب نے حکم دیا۔

''زینب نے آج تک بے عزتی برداشت کی تھی۔اب اس کی روح نے یہ بے عزتی برداشت نہیں کیا۔دل کا ہر حصہ دکھ میں ڈوبا تھا۔پتہ نہیں کس حصے سے اس کے ہونٹوں پر مسکان آ گئی۔

''آپ کیسے بھول سکتی ہیں یہ گھر آپ کا ہے میرا نہیں ......ریحان سے آپ کی شادی ہوئی ہے۔''

''میرے ساتھ نہیں اس نے میری دولت سے شادی کی ہے...... مجھ سے نہیں۔ میرے ممی پاپا کی دولت کی اکلوتی وارث سے شادی کی ہے اس نے'' اس کی آواز میں بہت درد تھا۔

''نہیں اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ مجھے کوئی حق نہیں چاہیے...... نہ میرے بچے کے لیے۔ سب حق آپ کے اور آپ کے بچے کے ہی رہیں گے۔ میں آپ کو برباد کر کے اپنے سکھ کا محل نہیں بنا سکتی۔''

''لیکن......''

''میرے پاپا چاہتے ہیں کی میری موت سے پہلے میں سیٹ ہو جاؤں۔اب تین مہینے کا حمل بھی ہے......اس کا کہنا ہے ہم بغیر شادی کے بھی ساتھ رہ سکتے ہیں......ابارشن......''

وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔آپ اتنی اچھی ہیں میں آپ کو تکلیف پہنچانا نہیں چاہتی......لگتا ہے میں نے یہاں آ کر غلطی کی ہے......ایک نیک عورت کو تکلیف پہنچائی ہے۔''

''نہیں، رکو صوفیہ......'' زینب نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بیٹھا دیا۔

''میں آپ کو تکلیف پہنچا کر خدا کی نظروں میں اب اور ظالم نہیں بننا چاہتی ہوں''

''تمہیں میری بات ماننی ہوگی۔ریحان کے آنے تک رکنا ہوگا۔تم آرام کرو'' کہہ کر زینب دوسرے کمرے میں چلی گئی۔کچھ لمحہ پہلے جو دل ہلکا ہوا تھا، پھر زینب کی ضد سے اس کے اندر ڈر پھیل گیا۔وہ سوچ رہی تھی اب ضرور کچھ برا ہی ہوگا۔

صوفیہ سوچ رہی تھی۔''میں نے یہاں آ کر غلطی کی ہے۔کیا حاصل کرلیا......ایک نیک عورت کی زندگی اجاڑ کر مجھے کیا ملے گا۔'' اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

زینب نے جب اس سے پوچھا تھا تم اس سے کتنی محبت کرتی ہو، تب وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی۔اس نے واقعی میں اسے سچے دل سے پیار کیا تھا۔

''میں محبت ہی تو کرتی تھی، لیکن اب نہیں جو آدمی جھوٹ کے بدلے پیار چاہتا ہے، جو آدمی محبت کا سودا جھوٹ سے کرتا ہے میں اسے کبھی پسند نہیں کروں گی ......کوئی کیسے پسند کرسکتا ہے۔''

''ہماری محبت کو ہماری کمزوری سمجھتے ہیں مرد......تم انجینئر، میں ڈاکٹر......ہم پڑھی لکھی سمجھدار اور قابل عورتیں ہیں پھر بھی مردوں کے ظلم برداشت کرتے ہیں، پھر بھی انہیں پیار کرتے ہیں......'' زینب کہتے ہوئے ہنس پڑی۔اس کی ہنسی میں درد تھا۔

''عورت چاہے کہیں کی بھی ہو، پہاڑ کی ہو یا جنگل کی ...... پڑھی لکھی ہو یا ان پڑھ ایک ہی مٹی کی بنی ہوتی ہے...... ہر جگہ کی عورت نہ جانے کس چیز کی بنی ہوتی ہیں۔تبدیلی ان کی شکل و صورت اور مزاج میں ہوگی لیکن سوچنے کا دائرہ ایک ہی ہوتا ہے۔''

تعلق کب اور کیسے بن جاتے ہیں، یہ سمجھنا مشکل ہے۔حالات اپنے آپ ہی کروٹیں بدلتے ہیں کہ گہرے سے گہرا تعلق بھی لمحے بھر میں ٹوٹ کر بکھر جاتا ہے۔

''اچھا مجھے ایک موقع تو دو شاید میں اس کا کوئی حل تلاش کر سکوں ......اس بچے کو حق دلا سکتی ہوں یا نہیں۔ بس ایک گھنٹے میں وہ آنے والے ہیں۔'' زینب نے کہا'' مجھے بہت کام نپٹانے ہیں۔''

''لیکن کیا ہوگا؟'' صوفیہ نے گھبراتے ہوئے پوچھا۔

''جو بھی ہوگا، اچھا ہی ہوگا۔''

دونوں نے مل کر کھانا تیار کیا۔ اسے آرام کرنے کے لیے کہہ کر وہ اپنے کمرے میں گئی۔ ہندوستان کے لیے اپنے ٹکٹ کے لیے نیلم کو فون کیا۔ ساری باتیں بتائی۔ اس نے مدد کرنے کا وعدہ کیا۔ وہ اپنی پیکنگ میں مصروف ہوگئی۔ اب وہ کسی بھی وقت یہاں سے نکلنا چاہتی تھی۔ اس نے کپڑے بدلے، بال سنوارے۔ نہ خوش تھی اور نہ ہی دکھی۔ اس لگ رہا تھا جیسے اس میں کوئی انجانی طاقت آگئی ہے۔ دروازے کی گھنٹی بجنے لگی۔

''آؤ تم دروازہ کھولو'' زینب نے اسے حکم دیا۔

''تم ......تم یہاں کیوں آئی؟'' صوفیہ کو دیکھتے ہی ریحان بھڑک گیا۔ وہ چپ چاپ کھڑی رہی۔

''زینب کہاں گئی۔'' وہ ایک دم گھبرا کر بولا۔ اسے ڈر ہوا شاید ان کی سچائی جان کر وہ گھر چھوڑ کر چلی گئی ہے۔

زینب مسکراتی ہوئی سامنے آکر کھڑی ہوگئی۔ ریحان پسینہ پسینہ ہوگیا۔

''زینب تم نے اسے گھر میں کیوں گھسنے دیا......'' وہ چیخا۔

''کیوں؟ کیا تم نے اسے حق نہیں دیا......'' زینب کچھ اور کہتی اس سے پہلے وہ صوفیہ کے قریب جا کر بولا۔ ''تم یہاں کیوں آئی ہو......گیٹ آؤٹ......''

''یہ کیا سوال کر رہے ہو ریحان ......یہ اپنے گھر آئی ہے۔''

''میں تم سے پوچھ رہا ہوں تمہاری یہ ہمت کیسے ہوئی کہ تم یہاں تک پہنچ گئی؟'' اس کی آواز میں غصہ تھا۔

''کیوں؟ کیا تم نے اسے حق نہیں دیا......تم نے خود اسے یہ حق دیا ہے کہ یہ تمہارے گھر رہ سکے۔'' زینب کی آواز میں نرمی تھی۔ لیکن ریحان کو جلتے انگار کی طرح لگی۔

''یہ اپنے گھر آئی ہے اور اس کا حق ہے یہاں رہنے کا..... جو تم نے خود دیا ہے۔'' مضبوطی سے زینب نے دہراتے ہوئے کہا۔

''کون کہتا ہے یہ گھر اس کا ہے؟ کیسے ہو سکتا ہے اس کا گھر؟'' وہ چیخ کر بولا۔

''میں کہتی ہوں۔ یہ کہتی ہے.....اور ریحان اگر تمہارے دل میں اگر تھوڑی بھی سچائی موجود ہے تو تمہارا دل بھی کہتا ہے۔تم اندر جاؤ صوفیہ۔''

وہ اندر چلی گئی۔

''زینب یہ کیا مذاق ہے؟''

''یہ مذاق نہیں تم بتاؤ یہ کہاں جائے۔''

''اپنے باپ کے گھر جائے۔ یہ یہاں نہیں رہ سکتی۔''

''ہاں اپنے پاب کے گھر رہنے کا سب کو حق ہوتا ہے۔..... ہے نہ پھر آپ کا بچہ اپنے گھر کیوں نہیں رہ سکتا؟''

''کیا مطلب.....؟''

''صوفیہ آپ کے بچے کے ساتھ آئی ہے، جسے دنیا میں آنے میں ابھی کچھ مہینے اور لگے گیں .....لیکن آ تو گیا ہے۔''

''یہ جھوٹ کہتی ہے۔''

''نہیں میں نے چیک اپ کیا ہے، یہ حاملہ ہے۔'' زینب نرم لہجے میں بات کر رہی تھی۔

ریحان کا چہرا پیلا پڑ گیا۔زینب سب کچھ جان چکی ہے۔اس نے خاموش رہنا ہی ٹھیک سمجھا۔

تینوں اپنی اپنی سوچ میں گم تھے۔اگلے لمحے کیا ہونے والا ہے؟ اب باگ ڈور زینب کے ہاتھ میں ہے۔

پھر بھی اسے پورا یقین تھا کہ یہ اپنے گھر میں کسی کو کچھ نہیں بتائے گی۔ ریحان نے سوچا دو دن بعد زینب حالات سے سمجھوتا کر لے گی۔ وہ اس کی عادت جانتا ہے۔ مجھے چھوڑ کر یہ نہیں جا سکتی۔ ہر حال میں اسے سمجھوتا کرنا ہی پڑے گا۔ میں اسے اتنا مجبور کر دوں گا کہ یہ صوفیہ کو اپنا لے گی اور سب ساتھ رہیں گے۔

☆☆

پندرہ

''تو خوش تو ہے نا''

''ہاں اتنی خوش ......ہنستی ہوں تو رونا آتا ہے......اتنے سال ہو گئے شادی کو، لگتا ہے میں ہی ایڈجسٹ نہیں ہو پائی ہوں ...... کیسے شوہر کو خوشی دوں ......سمجھ نہیں پائی کیا کمی ہے مجھ میں؟'' بڑے سنجیدگی سے زینب بولی۔''سب کچھ تو ہے میرے پاس نیلم'' نیلم کو لگا زینب گاڑی چلاتے ہوئے خود سے باتیں کر رہی ہے۔

پورے دو گھنٹے ہو گئے کار میں گھومتے بیتے دنوں کی باتیں کرتے ہوئے۔اچانک زینب خاموش ہو گئی۔گاڑی چلاتی ہوئی زینب کے چہرے کو نیلم نے دیکھا، وقت کے ساتھ عورت کتنی شکلوں میں بٹ جاتی ہے۔گاڑی رک گئی۔

''کیوں گاڑی کیوں روک دی؟''

''بس آگے جانے کا من نہیں......زندگی بھی کچھ ایسی ہی ہے نیلو......'' نیلم کو لگا یہ خود کو سنبھالنے کی ناکام کوشش کر رہی ہے۔

کار پارک کر کے چابی ہاتھ میں لے کر گھماتے ہوئے دونوں لان کی ہری ہری گھاس کی طرف بڑھ گئیں۔دونوں باغیچے کی مخملی گھاس پر ٹہلنے لگیں۔

''نیلو......'' کچھ کہنا چاہ کر بھی وہ آگے کچھ کہہ نہیں پائی۔

''شادی کے بعد اگر ریحان میرے ساتھ زندگی کا سفر محبت سے طے کرتا تو میں کتنی خوش رہتی۔نیلو وہ میرے ہوتے ہوئے بھی دوسری عورت ...... پھر اسی گندگی کو مجھ پر لاد دیتا...... وہ زخم سے بھری ہوئی ہنسی ہنستے ہوئے بولی۔

''آخر کیوں بھاگتا ہے مرد دوسری عورتوں کے پیچھے......تم جیسی خوبصورت، مہذب

بیوی کو چھوڑ کر...... ریحان کی یہ کمینی حرکت؟ سچ میں غصہ تو مجھے بھی بہت آ رہا ہے۔''

ریحان کا میرے لیے محبت دیکھ کر ...... چاہے اسکے محبت کا طریقہ الگ ہے...... میں سوچتی تھی...... میں بہت امیر عورت ہوں، لیکن سچ یہ ہے کہ میں ایک بہت غریب عورت ہوں۔'' ایک اداس مسکان اس کے ہونٹوں پر پھیل گئی۔

وہ اسے حیرت بھری نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

''زینب تم کیا کہنا چاہتی ہو۔'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں نیلو آدمی روپیوں پیسوں سے امیر نہیں ہوتا۔ مرد کروڑ پتی کیوں نہ ہو، اگر اس کی بیوی وفادار نہ ہو تو اس سے بڑھ کر کوئی غریب نہیں۔ ٹھیک اسی طرح اگر مرد برے کردار کا ہو تو اس کی بیوی دنیا کی سب سے غریب عورت ہوتی ہے۔...... سچ میں نیلو میں دنیا کی سب سے غریب عورت ثابت ہوئی ہوں۔ میرے نصیب میں وفا نہیں۔'' وہ روہانسی ہو گئی۔

''تو نے یہ کیسی تعریف بنائی ہے۔'' اسے ہنسانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے وہ بولی۔

''یہ صحیح تعریف ہے اور دنیا میں کچھ استثنا کو چھوڑ کر تقریباً ہر عورت میری طرح غریب ہے۔ کوئی کم تو کوئی زیادہ۔'' وہ زہریلی ہنسی کے ساتھ بولی۔

زینب کی کڑواہٹ بھری ہنسی میں پوری تاریخ سمٹ آئی۔

''یعنی کچھ مردوں کو چھوڑ کر ہر ایک مرد؟''

''مرد کی عادت ہوتی ہے راہ چلتی عورتوں کو، ساتھ کام کرنے والی عورت یا پڑوسن...... عورت ہو یا راستہ چلتی لڑکی کو دیکھ کر اپنے دل میں کوئی تصویر بنا لیتے ہیں اور تنہائیوں میں اس تصویر کو دیکھ کر اپنی پیاس بیوی سے مٹاتے ہیں۔ بیوی اپنے شوہر کی اس عادت کو خوب پہچانتی ہے۔ عورت کے لیے یہی لمحہ سب سے تکلیف دہ ہوتا ہے کہ شوہر کی خیالوں میں دوسری عورت ہوتی ہے اور ہاتھ میں بیوی۔''

''ہاں موقع ملنے پر ہر مرد پرائی عورت پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔ لاکھ میں کچھ عورتیں بھی ایسی ہوتی ہیں۔'' پھیکی ہنسی ہنستے ہوئے نیلم نے کہا۔

''میں ریحان کو دس بار محبت کرتی ہوں تو دوسرے لمحے بیس مرتبہ نفرت کرتی ہوں۔ کچھ بھی تو میرا اپنا نہیں۔ وہ کبھی بھی میرا اپنا نہیں رہا۔''

نیلم جانتی ہے زینب کے دل میں طوفان ابل رہا ہے۔نیلم اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر سہلانے لگی۔وہ اسے تسلی دینا چاہتی تھی۔

''کیا میں ایسی زندگی چاہتی تھی؟'' سادگی سے کہتے ہوئے زینب نے نیلم کے چہرے کی طرف دیکھا۔اس کا چہرہ بھی زینب کی پریشانی دیکھ کر لال ہو رہا تھا۔

''اب گھر چلتے ہیں۔سچ میں تیرے ساتھ بیتا ہوا وقت بہت یاد آئے گا۔'' زینب نے کار اسٹارٹ کی۔

اب تک تو ریحان بھی گھر آ گیا ہوگا۔وہ فکر مند ہوتے ہوتے ہنس پڑی۔اوہ میں اب بیوی کی طرح فکر کیوں کر رہی ہوں......اب تو گھر میں کوئی ہے۔

گھر میں خاموشی چھائی تھی۔وہ اپنے کمرے میں جا کر کھڑکی کے سامنے ایک ایجی چیئر پر بیٹھ گئی۔شام بہت اداس تھی۔دھیرے دھیرے رات گھر آئی۔وہ کھڑکی سے باہر دیکھتی کچھ سوچتی رہی۔

وہ سوچ رہی تھی ہر گھر میں کھڑکیاں کیوں ہوتی ہیں؟ کھڑکیوں سے سب کو چاند نظر کیوں آتا ہے؟ یہ قصور کھڑکیوں کا تو نہیں۔قصور تو ہے محبت کرنے والوں کا۔چاند کو دیکھ کر کسی کی یادیں تازہ ہو جاتی ہیں تو چاند کا کیا قصور۔یہ قصور تو ہے من کا،مگر کھڑکیاں تو......گھروں کو......دلوں کو روشن کرتی ہیں۔

ریحان کا اس کے لیے محبت نہ ہونا، اسے اپنی توہین لگ رہی تھی۔پورا جسم جیسے کانٹوں سے بھر اٹھا۔کل اسے لگ رہا تھا ریحان سے الگ ہونا میرے لیے آسان ہو گیا۔لیکن کسی عورت کے لیے اپنا گھر چھوڑنا کتنا مشکل کام ہوتا ہے۔

جتنا وقت وہ ریحان کے ساتھ رہی اس کے ہر شکل کو پہچانتی ہے۔ان برسوں میں اپنی شادی شدہ زندگی میں اپنے شوہر کے خیالات کو کبھی سچے دل سے نہیں جھیل پائی۔

اس کے دل میں غصے کے نہ جانے کتنے جوالامکھی اندر ہی اندر پنپ کر باہر نکلنے کے لیے امڑتے رہے۔دوسرے لمحے ہی اسے لگا ریحان اس کا اپنا ہے لیکن دوری کے علاوہ کبھی قریب نہیں رہتا۔وہ سوچتی رہی محبت کو زبردستی حاصل نہیں کیا جا سکتا ہے، محبت تو ایک روحانی تجربہ ہے، جس میں دل سے دل کا تعلق ہوتا ہے۔

دنیا کے کسی بھی سماج میں دل ملنے کے کوئی اصول نہیں ہیں۔جسم ملنے کے دنیا کے ہر سماج میں اصول بنائے گئے ہیں، پھر بھی یہ سب ہوتا رہتا ہے۔

کھڑکی سے بادل کی طرف دیکھ کر سوچتی رہی، اکیلا بادل اتنے بڑے آسمان میں بھٹک رہا ہے۔رات جیسے جیسے گہرتی گئی اس کی سوچ بڑھتی گئی۔اسے لگا اوپر سے وہ جتنا پرسکون ہے اندر سے ریحان کے لیے غصہ ہے۔وہ بار بار ٹوٹ کر بہتا ہے۔دونوں کے من کے الٹے سمت میں کھینچا تانی، بے بسی اور رشتوں کا کھوکھلا پن، اس کے دل کی صورت حال بہت عجیب تھی۔

بے بسی ......ہلچل......اس پر خود کو سنبھالنے کی کوشش۔اس کی روحانی پریشانی کو کوئی بھانپ نہ جائے اس لیے وہ نارمل بنی رہی۔مرد بیوی کے علاوہ باقی رشتوں کو چھپا لیتے ہیں......اپنا رویہ موثر طریقے سے ایک دھوکے کی دیوار میں رکھتے ہیں۔

ریحان کی حالت بے حد گمبھیر بنی رہی۔وہ زینب کی خاموشی دیکھ کر سوچ رہا تھا کسی کے دل کی تھاہ لگانا ایک گہرے سمندر کی گہرائی ناپنے کے برابر ہے۔میں زینب کے دل کا احساس نہ معلوم کرسکا، اب وہ کیا کرے گی۔

کچھ دیر وہ آنکھیں بند کیے بیٹھی اپنے اندر کے غصے کو پینے کی کوشش کرنے لگی۔لیکن قابو نہ کرسکی۔میں نے اسے دل سے اپنایا پھر میرے ساتھ دھوکا ہوا۔وہ نفرت کے بادلوں سے گھری اپنے پر قابو پانے کی کوشش کرتی رہی۔اس کے عورت پن اور انا کو ٹھیس لگی ہے۔

وقفے میں ویرانی، زہریلی پرچھائیاں شوہر کے ساتھ ساتھ سب کے لیے نفرت میں بدل گئی۔اس کے اندر کی عورت نے چوٹ کھائی ہے۔زیادہ تر پریشانی نے اس کے دل میں ایک عجیب طرح کی نفرت بھر دی تھی۔

بندھنوں کا اپنا ہی موہ ہوتا ہے۔بندھنوں میں ہزاروں دکھ ہوتے ہیں، لیکن ان دکھوں میں ہزاروں سکھ بھی ہیں۔میں ان بندھنوں میں بندھنے کی پوری کوشش کرتی رہی ہوں ...... ریحان کو میں ان بندھنوں میں کیوں نہیں باندھ پائی۔

اس کی گم صم......آنکھوں میں بے بسی کا پانی بھرا تھا۔

☆☆

سولہ

شام کو پرندے اپنے گھونسلے کی طرف لوٹ رہے ہوتے ہیں تو ان کے پنکھوں میں ایک شدت ہوتی ہے۔ زینب کے کاموں میں بھی شدت آگئی۔ پورے دن میں اس نے سب ضروری کام کیے۔ نیلم نے اسے ٹکٹ بنوا کر دے دیا۔ سارے کام ختم ہونے تک گھر میں خاموشی چھائی رہی۔ اس نے کسی کو کچھ نہیں بتایا۔

آخر دو دن بعد وہ دن آ ہی گیا۔ گود میں عرش کو اٹھائے زینب اپنے سامان کے ساتھ ایئرپورٹ پہنچی۔ ایئرپورٹ پہنچ کر ریحان کو فون کیا۔

''میری جہاز اڑنے والی ہے۔ میں ہندوستان جا رہی ہوں ...... تمہیں صوفیہ سونپ کر جا رہی ہوں، شاید اس کے ساتھ تمہیں وہ خوشی مل جائے جو میرے ساتھ نہیں مل سکی۔''

زینب کی آواز رندھ گئی۔

''تم نہیں جا سکتی زینب......'' وہ چلایا۔ اس نے موبائل کا سوئچ آف کر دیا۔ اپنا دل بہلانے کے لیے عرش سے باتیں کرنے لگی۔ وہ ساری باتوں سے انجان ماں سے باتیں کر رہا تھا۔ ریحان چاہتے ہوئے بھی کچھ نہیں کر سکا۔ زینب کو جہاز کی چال دھیمی اور من کی چال تیز لگ رہی تھی۔

گھر جا کر ماں کو کیا کہے گی۔ وہ جانتی ہے اس طرح آنا سب کو برا لگے گا۔ اس نے گردن کو دھیرے سے ایک جھٹکا دیا ''جو ہوگا دیکھا جائے گا۔''

اچانک ممبئی پہنچ کر زینب نے فون کیا ''ممی گاڑی بھیج دو میں عرش کے ساتھ آئی ہوں۔''

''اکیلی کیسے آئی ہو......''

ماں کے گلے لگتے ہوئے زینب نے کہا۔ ''اکیلی نہیں اس کے ساتھ آئی ہوں۔ دیکھو

کتنے آرام سے سو رہا ہے، نانی کے پاس جو آیا ہے۔''

اقرا نے دیکھا زینب کا چہرہ اترا ہوا ہے پھر بھی خوش ہے۔ اقرا کو لگا کوئی بات ضرور ہے۔ بغیر خبر کیے، ریحان کے بغیر آنا۔

''میں فریش ہو کر آتی ہوں......پھر باتیں کریں گے مما۔''

اس کا اس طرح کا رویہ، اقرا کچھ سمجھ نہیں پائی۔ اقرا کی آنکھوں میں ایک خوف پیدا ہوا۔

''جیتے جی تو میں آپ لوگوں کا پیچھا چھوڑنے والی نہیں مما......'' کہتے ہوئے زینب ہنس پڑی۔ اس کی آنکھوں میں بے بسی جھلک آئی۔

''تمہاری اور میری جیسی عورتیں تصور میں پیار کرتی ہیں۔ اسی میں جیتی ہیں اور حقیقت سے دور رہتی ہیں۔ ممی یہی ہماری بدقسمتی ہے۔ ہمارے خیالوں میں جو ہوتا ہے کسوٹی پر کبھی کھرا نہیں اترتا......'' بولتے بولتے زینب نے ماں سے پوچھا۔

''ماں مجھے دیکھ کر آپ کو کیسے لگ رہا ہے۔ زندگی کی دوڑ میں، میں جیتی ہوں یا ہاری؟''

چائے کا گھونٹ بھر کر کپ اسٹول پر رکھ دیا۔

''تم خوش ہو مجھے خوشی ہے'' اقرا بولی۔

''سچ''

''تم شوہر بیوی کو دیکھ کر مجھے خوشی ہی تو ہو گی۔'' اس نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

''تب ٹھیک ہے مما میں ریحان کو بھی خوش کر آئی ہوں۔ میرے حصے کی خوشی بھی ریحان کی جھولی میں ڈال آئی ہوں۔ کیوں کی خوشی میرے ساتھ خوش نہیں تھی۔

''تو کیا کر آئی ہے زینب؟'' اس نے تعجب سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''انصاف......مما انصاف۔''

''کیا'' اقرا گھبرا کر بولی۔

''کچھ نہیں......ریحان کے بچے کو انصاف دلایا ہے۔''

''کیسا انصاف؟'' اقرا چکرا گئی۔

''ایک لڑکی سے ریحان کو پیار ہو گیا۔ اس کے بچے کو انصاف دلایا ہے۔''

''تمہارے بچے کا کیا ہو گا؟''

''میں ہی اس کی ماں ہوں اور میں ہی اس کا باپ...... میں ہی اس کی پرورش کروں گی۔''

''یہ تم کیا کر آئی ؟ مجھے صاف صاف بتاؤ۔'' اقرا نے پوچھا۔

''اسے اگر مجھ سے محبت ہوتی تو وہ صوفیہ سے محبت نہیں کرتا۔ اب جب اسے صوفیہ سے محبت ہے تو اس کا مطلب ہے وہ مجھے نہیں چاہتا۔''

اقرا زینب کے اس طرح بتانے سے چکرا گئی۔

''مگر تم یہ کیا کر آئی دوسری کے پیچھے اپنا حق چھوڑ آئی۔ ہم دیکھتے اسے''

کچھ نہیں ایک بچہ صوفیہ کے پیٹ میں پل رہا ہے لیکن رسم و رواج کا محتاج ہے اور یہ بچہ رسم سے آیا لیکن باپ کا پیار پانے سے محتاج ہے۔''

''مگر اس پر تمہارا حق ہے...... تمہاری شادی ہوئی ہے اس کے ساتھ......''

''وہ ٹوٹ گیا'' اس نے ایسے اشارہ کیا جیسے دھاگا توڑا ہو اور ہنس پڑی۔

''یہ ہنسنے والی بات نہیں۔ شادی کی رسم ایسے نہیں ٹوٹتی'' اقرا چیخی۔

''اس نے تو آسانی سے توڑ دی۔''

اقرا کو لگا اس کے پیروں کے نیچے زمیں نہیں ہے۔ اس کے پاپا کو فون کے ذریعے معلوم ہوا تو ان کا غصہ ساتویں آسمان پر جا پہنچا۔

''میں آ رہا ہوں ...... ریحان کی کمینی حرکت ...... چھوڑوں گا نہیں۔ تمہاری بہن کو بلاؤ...... میری بیٹی کو گھر سے اس طرح نکال دیا۔ سب کو عدالت میں گھسیٹوں گا۔ جیل میں سڑنا ہوگا اب اسے۔ اقبال احمد فون پر چیخے'' اسے فون دو۔''

''تو نے اپنے ہاتھوں سب کچھ تباہ کیسے کر دیا۔ بڑی آئی دوسروں کا گھر بسانے والی...... اپنا گھر اجاڑ کر۔ مجھے خبر کرتی ...... میں آتا وہاں ......اسی جگہ جیل کروا کے چھوڑتا۔''

اس نے اپنی ماں کو واپس فون دیتے ہوئے کہا۔

''ممی پاپا کو سمجھائیں، میں خود ہی ایسے آدمی کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی، جو شادی کا مطلب ہی نہیں جانتا۔ اس کی نظر میں عورت پیر کی جوتی سے زیادہ کچھ نہیں۔ اب کسی کو کچھ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں...... جو کرنا ہے میں خود ہی کروں گی۔'' وہ کہتے ہوئے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

اقرا نے فون کر کے الفت کو بلایا۔

رات گھر آئی۔کھانا کھا کر کے جمیلہ پاس آ کر بیٹھ گئی۔اس سے باتیں کرنے لگی۔

''تمہارے جانے کے دو سال بعد ہی عالیہ دبئ جا کر بچیوں کو لے آئی۔اب دونوں بیٹیاں دادی کے پاس ہی رہتی ہیں۔عالیہ میم کبھی یہاں اور کبھی وہاں رہتی ہیں۔اب سنا ہے کاشف اپنا پورا کاروبار ختم کر کے آ رہے ہیں۔شاید کچھ دن بعد آ جائیں گے۔''

بیوی کو انتقال کیے اتنا وقت گزر گیا، کاشف نے دوبارہ شادی نہیں کی؟''

''کہتا ہے ایک شادی سے کیا سکھ حاصل کر لیا، جو دوسری شادی کروں گا۔زینب ازدواجی زندگی سکھی ہو یا دکھی بچے تو تقدیر کے حساب سے ہوتے ہی ہیں۔

زینب کا دل اداس ہونے لگا۔لگتا ہے کاشف بہت دکھی ہے۔

''بیٹے کی دوبارہ شادی نہ کرنے کی ضد سے عالیہ بیگم کا برا حال ہے۔وہ کہتی ہیں میرے بعد کون سنبھالے گا اس گھر کو۔ان بچیوں کو لیکن وہ مانتا ہی نہیں۔کل ہی اقرا بیگم صاب نے انہیں تمہارے بارے میں سب بتایا ہے۔''

''کیا؟''

''ہاں اپنے دل کی ہر بات ان کو ہی تو بتاتی ہیں۔''

وہ پریشان ہو کر بولی۔''اچھا جمیلہ اب میں سونا چاہتی ہوں'' کاشف کے بارے میں جان کر وہ دکھی ہو گئی۔اس کے گھاؤ ہرے ہو گئے۔

اندھیری رات نے پھیل کر دور دور تک اندھیرے کا جال بن دیا۔کہیں بادل گرج رہے تھے، بجلی چمک کر زوردار بارش ہو جاتی۔ایسا لگ رہا تھا مانو آج رات بہت بڑا طوفان آنے والا ہے۔ہوا کی تیز بہاؤ میں سائیں سائیں کی آواز خوف زدہ لگ رہی تھی۔آج پھر اس کا دل کاشف کو سوچ کر بے حد بے چین ہو گیا۔بار بار اس کی نظر کھڑکی کے اس پار کاشف کے کمرے پر جا ٹھہرتی۔اسے لگا جیسے کاشف اس کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا ہے۔وہ بے خودی میں کھڑکی کی طرف دیکھتی رہی۔جیسے وہ منتظر ہے۔جیسے کسی نے اس کے پیروں میں زنجیر ڈال دی ہو جسے توڑ کر جانا اس کے بس میں نہیں مگر عاشق کو دیکھنے کی لالچ کو وہ نہیں چھوڑ سکتی ہو۔دل کہتا ہے انتظار کرتی رہوں۔

''زینب'' اسے لگا کاشف کی آواز اس کے کانوں میں گونج رہی ہے۔

کاشف کے پیار کی گہرائی کا اندازہ لگا کر زینب کی پلکیں بھیگ گئیں۔اس پر رحم آیا۔ ہمدردی سے اس کا دل بھر آیا۔پھر ایک سوال اس کے من میں اٹھا،اس نے غزالہ سے شادی کیوں کرلی۔اسے پھر غصہ آ گیا۔

''میرے پیار میں کمی ہوتی تو الگ بات ہوتی۔''اس کے دل میں ایک درد بھرا کسک پیدا ہوا۔وہ تو اپنا ماضی بھول کر جینا چاہتی تھی۔ماحول اس کے دل کے تاروں کو چھیڑ کر اسے جگا دیتا ہے۔کیا وہ کبھی سکون سے جی نہیں سکے گی؟

اس کی آنکھوں میں دو بوند آنسو آئے اور اس کی آنکھوں میں ہی اٹک گئے۔وہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا لیکن محسوس ہوتا ہے اس کا کتنا کچھ میرے پاس رہ گیا ہے۔وہ رونا چاہ رہی تھی پر رو نہ سکی۔وہیں کھڑے کھڑے ہی بے خودی میں اس نے اپنے بالوں کو کھول کر ہوا کے جھونکوں کے ساتھ کھیلنے کے لیے آزاد چھوڑ دیا۔اسے لگا برسوں پہلے کاشف کو میرے بال اسی طرح اڑتے پسند تھے۔اتنا وقت بیت جانے پر بھی وہ کاشف سے نفرت نہیں کر پائی۔میں اسے بھول کیوں نہیں جاتی؟ اس کا دل تڑپ گیا۔اپنے دل کی حالت پر قابو پانے کے لیے اس نے اپنے ہونٹوں کو دانتوں کے نیچے دبالیا۔

دوسرے دن الفت خالا آ گئی۔اس نے اسے منانے کی بہت کوشش کی لیکن سب بے سود رہا۔

''ریحان تجھے طلاق نہیں دے گا۔''الفت نے ہار کر کہا۔

''یہ حق قرآن پاک سے ہم عورتوں کو بھی دیا گیا ہے وہ نہیں دے گا......ٹھیک ہے پھر میں دوں گی اسے طلاق''زینب کے الفاظ میں مضبوط ارادہ تھا۔

''یا اللہ اس سے ہماری کیا عزت رہ جائے گی۔آج تک کسی عورت نے کسی مرد کو طلاق نہیں دیا......''الفت پریشان ہو کر بولی۔

''زینب پلیز کچھ تو سوچو۔''اقرا نے کہا''اسے بلا کر سمجھا سکتے ہیں،غلطی انسان سے ہی ہوتی ہے۔''

''بس مما اب کچھ نہیں۔''اگر میرا طلاق نہیں ہوا تو یہ لوگ پریشان کرتے رہیں گے۔ وہ اٹھ کر باہر چلی گئی۔مولوی اور وکیل کے پاس جا کر صورت حال بتائی اور طلاق کے

کاغذات تیار کروا کر لے آئی۔ وہ طلاق دینا یا لینا نہیں چاہتی تھی۔

اس نے طلاق کے کاغذات اور مہر کی رقم وکیل کے ذریعے بھیج دیے۔ اس طرح طلاق ہونے سے اقرا بہت دنوں تک زینب سے ناراض رہی۔

شام ہو رہی تھی۔ شام کی سرخی افق پر بکھرے لال رنگ کو گہرا کر رہی تھی۔ ساگر کے اس پار سورج اداس ہو کر اتر رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے سورج شام کی جدائی سے آگ کو ساگر کی گود میں منھ چھپا کر اس کے پانی سے ٹھنڈا کر رہا ہے۔ جدائی کی آگ اتنی تیز تھی کی ساگر کی لہریں بھی لال ہو رہی تھیں۔

زینب نے آسمان کی طرف دیکھا۔ ایک چڑیا اڑتی ہوئی دکھائی دی۔ زینب کو لگا میں بھی اب اس کی طرح آزاد ہوں۔ اس کے من میں متعدد خیالات ابھر رہے تھے۔

اس نے دیکھا لہریں آ کر ساحل سے ٹکرا کر بکھر گئیں۔ اسے لگا ساحل کبھی ڈوبتے نہیں۔ جہاں پانی ٹھہرتا ہے وہی ساحل بن جاتا ہے۔ ساحل حاصل کرنے کے لیے کچھ لوگوں کو حالات ڈوبانے کی کوشش کرتا ہے۔ زندگی میں کنارہ پانے کے لیے انسان کو ہمت اور طاقت پیدا کرنی پڑتی ہے۔

روز روز مرنے سے تو اچھا ہے کہ میں زندہ رہوں اور عزت سے رہوں۔ سردی کی ہوا جس طرح کبھی کبھی جسم میں ایک لکیر کی طرح لگتی ہے۔ ایک خیال اس کے دل میں لگ رہا تھا۔ ایک برا وقت گزر گیا۔ طلاق کے کاغذ اور مہر کی رقم واپس کر کے بے فکر ہو گئی۔

میری تعلیم میرے وجود کی حفاظت کرے گی۔ بچے کے بارے میں سوچ کر ایک ہوک سی اٹھتی ......بغیر باپ کے......تھوڑی دیر پریشان ہوتی لیکن خود سے خود ہی کہتی کیوں پریشان ہوں ...... مجھے میرے بچے کی اچھی پرورش کرنی ہے۔ کل سے ہی ...... میں اپنی نوکری کے لیے کوشش کروں گی۔ اقرا نے بہت سمجھایا، کیا کمی ہے اس گھر میں تم نوکری نہیں کرو گی۔ وہ نہیں مانی۔

''میں مریضوں کی خدمت کروں گی، اسی میں میری خوشی ہے۔'' زینب نے حالات سے سمجھوتا کر کے خود کو سنبھال لیا اور جینا سیکھ لیا۔ اسے کاشف پر جو غصہ تھا وہ کم ہونے لگا۔ ریحان پر غصہ باقی تھا وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ اس آدمی کا نتیجہ کیا ہوا جس نے اسے اپنی خود غرضی کے لیے قربان کر دیا۔ جس نے خوابوں کے محل کو خود ٹھوکر مار کر توڑ دیا۔ وہ ریحان کو شوہر کے طور سے قبول

کر کے چاہنے لگی تھی۔اس کا ہر ظلم برداشت کیا تھا۔

نیلم ایک بار ملنے آئی تھی۔اس نے بتایا صوفیہ بھی اسے چھوڑ کر چلی گئی ہے۔اس خود غرض انسان کے ساتھ کوئی عورت نہیں رہ سکتی۔

وہ ہسپتال میں نوکری کرنے لگی۔وقت کیسے گزرا اسے یاد ہی نہیں۔عرش اب اسکول جاتا ہے۔اسے دیکھ کر زینب خوش ہوتی کہ میں اس کی اچھی دیکھ بھال کر رہی ہوں۔اسے اپنے فیصلے پر اطمینان ہے۔
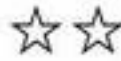
سترہ

سورج ابھی نہیں نکلا تھا۔صبح کی سفیدی پھیلنے لگی تھی۔زینب کو نیند نہیں آ رہی تھی۔ایک عجیب سی بے چینی ہو رہی تھی۔آج کاشف بار بار اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو جا رہا تھا۔وہ لان میں ٹہلنے لگی۔

وہ لان میں کھڑی سڑک پر کھڑے ایک سوکھے پیڑ کو دیکھنے لگی۔وہ سوچ رہی تھی کیا اس پیڑ پر کبھی ہری ہری پتیاں اور پھول نہیں آئیں گے؟اس کی زندگی میں بھی کبھی ہریالی چھائے گی۔ میری زندگی بھی تو اسی طرح سوکھ گئی تھی۔وقت کی شبنم نے اپنی بوندوں سے اوس بن کر ہریالی بھر دی ہے۔اسی طرح اسے بھی ہریالی ملے گی۔

اچانک سامنے کی حویلی کے گیٹ پر ایک گاڑی آ کر رکی۔وہ چونک گئی۔دو لڑکیاں،پھر عالیہ اور کاشف گاڑی سے بار نکلے۔وہ کھمبے کے پیچھے سے ان کو دیکھنے لگی۔نظر بالکل سنجیدہ تھی۔ زینب کے کھلے بال ہوا کے ساتھ کندھے سے اڑتی ہوئی اس کے مکھڑے پر بکھر جاتی۔کاشف نے زینب کے گھر پر نظر ڈالی۔لمحے بھر کے لیے کھڑا رہا پھر اپنے گھر کے اندر چلا گیا۔نیلا سوٹ پہنے سنہرا کپڑے پہنے،ٹھگی سی دیکھتی رہ گئی۔عمر کا اتنا گہرا اثر ہوا ہے کہ اس کے بال سفید ہو گئے۔ایسا لگتا ہے یہ کوئی اور ہے۔اس کا جسم کہہ رہا ہے وقت نے اس پر کتنے ظلم ڈھائے ہیں۔اس کی پلکیں بھیگ گئیں۔اس کے دل کو ٹھیس پہنچی ہے۔

یہ کتنا بدل گیا ہے۔آنکھوں پر چشمہ ہونٹوں سے مسکراہٹ غائب۔مکھڑے پر سنجیدگی۔ یہ بے شمار غم میں ڈوبا ہوا لگ رہا تھا۔جس آدمی سے محبت کرتی تھی،ساتھ زندگی گزارنے کا خواب دیکھا تھا اس کو برباد ہوتے دیکھ کر ہمدرد ہونا فطری بات ہے۔لیکن اب وہ کیا کر سکتی ہے۔اسے دیکھ لینے سے اسے احساس ہوا مانو دل کے اندر برسوں سے سلگتی آگ پر پانی کے چھینٹیں پڑ گئے۔

کیا ہوا ہم بچھڑ گئے ......محبت تو میں اسے ہی کرتی ہوں ۔آخری سانسوں تک پیار کرنے کی قسم کھائی تھی میں نے۔وہ لمحے کیسے بھول سکتی ہوں جو اس کی بانہوں میں گزارے تھے۔

چودہ سال کے بن باس کے بعد کاشف عالیہ کے ساتھ گھر واپس آ گیا۔بڑی بیٹی تیرہ سال کی ہونے جا رہی ہے۔چھوٹی بیٹی نویں سال کو پورا کر چکی ہے۔عالیہ کو اب پچھتاوا ہوتا،اسے معلوم ہو گیا تھا غزالہ نے کاشف کو کبھی چین سے نہیں رہنے دیا تھا۔تنک مزاج لڑکی کبھی اسے سچا پیار نہ دے سکی۔

سورج کی کرنیں مسکرا کر زندگی کی نئی صبح کا پیغام دے رہی تھیں۔اسے دیکھتے ہی وہ اپنے دل پر قابو پا کر وہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی لیکن اس کے پیر ایسے لگ رہے تھے جیسے زمین سے چپک گئے ہوں۔

اچانک اسے احساس ہوا اس نے تو مجھے دھوکا دیا، بیچ میں چھوڑ کر دوسری کا ہاتھ پکڑ لیا تھا نہیں اس کے لیے میں اسے کبھی معاف نہیں کر سکتی۔اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔پھر بڑبڑائی۔’’میں نے خود کو سمجھا لیا ہے اب میرے اندر کسی کے لیے کچھ نہیں۔‘‘

وہ اندر چلی گئی۔جمیلہ چائے دینے آئی۔

’’وہ لوگ آ گئے ہیں زینب۔‘‘

’’ہاں مجھے معلوم ہے۔‘‘

’’ملنا چاہو گی؟‘‘

’’نہیں......کبھی نہیں۔‘‘

وہ تیار ہو کر ہسپتال جانے لگی۔اقرا نے کہا’’زینی ......آج مت جاؤ عالیہ اور تمہارا دوست آ گئے ہیں ملنے چلنا......کاشف کے غم میں تمہیں شریک ہونا چاہیے۔‘‘

’’اسے مرے تو کئی سال ہو گئے اب کیا ماتم منانے جانا...... میں بازار اور ہسپتال جا رہی ہوں، مجھے عرش کے لیے ضروری سامان لانا ہے۔‘‘وہ گاڑی میں بیٹھ کر چلی گئی۔

اقرا اسے تعجب بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی، پہلے کاشف کا نام سنتے ہی بھاگی چلی جاتی تھی۔اب ایسی تبدیلی؟ وہ کچھ سمجھ نہیں پائی۔

اقرا عالیہ سے ملنے گئی۔کاشف لان میں بیٹھا تھا۔اس سے مل کر اقرا اندر چلی گئی۔

دونوں بیٹھ کر اپنے دکھ درد کی باتیں کرنے لگیں۔

کاشف لان میں بیٹھا اپنے ماضی کے اوراق دیکھ رہا تھا۔

اچانک ایک چھوٹا لڑکا دوڑتا ہوا اندر آیا۔ ''ہماری نانی ادھر آئی ہے انکل.....دیکھئے ہم نے جمیلہ آنٹی کو ہرا دیا۔ یہ دوڑنے میں مجھ سے پیچھے رہ گئیں۔ مجھے اپنے پیچھے چھپا لیجئے.....پلیز بڑا مزہ آئے گا۔''

کاشف نے پیچھے مڑ کر دیکھا جمیلہ ہانپتی ہوئی آ رہی تھی۔ اچانک اس کے دل میں ایک خیال آ گیا.....یہ بچہ زینب کا تو نہیں۔

''بیٹے آپ کون ہیں؟'' کاشف اسے پیار سے دیکھ رہا تھا۔ بچہ بہت خوبصورت تھا.....گورا چٹا.....پیارا سا، بالکل زینب کے چہرے سے ملتا جلتا چہرہ۔

''میں عرش ہوں'' اس نے کاشف کی گود میں چھپتے ہوئے جواب دیا۔

''آپ کس کے بیٹے ہیں؟''

''میں ڈاکٹر زینب کا بیٹا ہوں۔'' وہ بڑی شان سے بولا۔

''تم.....تم زینب کے بیٹے ہو'' کاشف اسے دیکھتا رہ گیا۔ عرش کو اس نے ایک دم اپنے سینے سے لگا لیا۔ اسے ایک عجیب سا سکون ملا۔ گود میں بیٹھا کر پوچھا۔

''میرے دوست بنو گے۔''

''یس انکل.....'' اس نے کاشف سے ہاتھ ملایا اور بھاگ گیا۔ ''دیکھئے وہ جمیلہ آنٹی آ گئی۔ مجھے یہاں آنے سے روک رہی تھی.....ہم دوست ہیں اسے مت بتانا یہ مما سے کہہ دے گی۔'' وہ تیزی سے بھاگ گیا۔

کاشف سمجھ نہیں پایا جمیلہ اسے مجھ سے ملنے سے کیوں منع کر رہی ہے۔ شاید زینب مجھ سے ابھی بھی ناراض ہے.....ہونا بھی چاہیے، میں نے اس کے ساتھ برا ہی تو کیا تھا۔ اس کے ارمانوں کو توڑا ہے۔

زینب جس کے ہونٹوں کی کلیوں پر ہمیشہ مسکان رہتی تھی۔ پھول کی خوشبو کی طرح مجھ پر چھا جانے والی زینب.....اپنی سانسوں کی بھینی بھینی خوشبو لیے اس کے دل کی گہرائیوں میں اترنے والی زینب.....اس کی نیندوں میں خواب بن کر اتر جانے والی.....سوتے جاگتے خیالوں

میں ہمیشہ سمائی رہنے والی زینب۔

''میں گناہ گار ہوں تمہارا...... جو چاہو سزا دے لینا'' کاشف کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

ہسپتال سے واپس آ کر زینب نے کھڑکی سے روز کی طرح پردہ ہٹایا، اس کی عادت بن گئی تھی گھنٹوں بیٹھ کر کاشف کے کمرے کی طرف دیکھتے رہنے کی۔ کچھ خیال آتے ہی اس نے جلدی سے واپس پردہ کھینچ دیا۔ پھر پلنگ پر گرتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس نے اپنے محبت کی قربانی دے کر ہی تو مجھے برباد کیا تھا۔ خود بھی برباد ہو گیا۔

''ڈرپوک......''

اب کاشف عرش کا انتظار کرتا۔ اس کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرتا۔ اسے ایک چالاکی بھری صلاح دی۔ ''بیٹا تم ہماری دوستی کی بات تماری ممی کو مت بتانا۔ وہ سمجھ گیا، اسے تو بس اتنے اچھے دوست سے باتیں کرنے کا شوق تھا۔

وہ بھی زینب سے ملنے کی طاقت پیدا نہ کر سکا۔ برآمدے میں اندھیرے میں بیٹھ کر زینب کی ایک جھلک پانے کو کرتا۔ ایک دن اچانک وہ برآمدے میں قریب کھڑی ہوئی دکھائی دی۔

اسے دیکھا زینب بالکل وہی تھی ...... بالکل وہی، پھر بھی وہ بہت بدل گئی تھی۔ وہی خوبصورت پیاری آنکھیں لیکن چمک نہیں، وہی خوبصورت کلیوں جیسے ہونٹ لیکن چٹکنے کی بے قراری نہیں۔ اس کے اندر سب کچھ بدل گیا۔ دس سال کے بچے کی ماں پر اس کی خوبصورتی میں کوئی فرق نہیں۔ فرق آیا صرف اس کی زندگی میں، فرق آیا ہے صرف اس کے مزاج میں۔ چنچل...... لڑکی اب ایک سنجیدہ اور خاموش رہنے والی لڑکی تھی۔ جیسے ایک زمانہ گزر گیا اس سے ملے ہوئے۔

کاشف کے آنے کے بعد زینب کی ہر رات انگاروں پر گزر رہی تھی۔ ایک لمحہ بھی سکون نہیں۔ مگر دل تو دل ہی ہوتا ہے۔ اس پر ناراض نہیں ہوتا۔ اس کی حالت دیکھنے کے بعد اسے اس پر رحم آتا۔

ایک دن ہسپتال سے آ کر وہ کھڑکی کا پردہ ہٹا کر سامنے دیکھنے لگی۔ وہ سامنے برآمدے میں کھڑا تھا۔ اسے سامنے دیکھ کر اس کا دل دھڑ دھڑ کرتا تیزی سے دھڑکنے لگا۔ اس نے جلدی سے اپنا منہ دوسری طرف کر لیا لیکن دل ضد کر رہا تھا کہ اسے دیکھوں۔ اس کی آنکھوں میں اپنا پیار دیکھوں، اس کے ہونٹوں پر میرے پیار کی پیاس دیکھوں۔

''وہ چاند سے پوچھنے لگی۔''ایسا کیوں ہو گیا کہ جو میری محبت میں ڈوبا تھا وہ دوسرے کا کیسے ہو گیا؟''

ایک شام کاشف بچوں کے ساتھ زینب کے گھر آیا۔اچانک اس کا غصہ اس پر حاوی ہو گیا۔وہ اس سے نہیں ملی۔من ہی من دانت پیستے ہوئے بولی۔''میرے علاوہ تم نے کسی اور سے شادی کرنے کی جرت کیسے کی؟''

وہ زینب کے گھر سے واپس آیا تو اسے لگا میں اپنی دنیا اپنے ہاتھوں سے لٹا چکا ہوں زندگی کے جوئے میں سب کچھ ہار گیا۔اب کچھ باقی نہیں رہا۔

رات ستارے گنتے گزر گئی۔صبح جب اٹھا تو اسے لگا وہ بہت دنوں سے بیمار ہے۔اس میں اب چلنے پھرنے کی بھی طاقت نہیں رہی۔

وہ کیا کرے زینب کے دل کو کس طرح تشفی دے۔جتنی دیر وہ بیٹھا رہا زینب اپنے دل میں صبر کیے اندر بیٹھی رہی۔لیکن...... جیسے ہی گھر سے باہر مایوس ہو کر نکلا زینب کے دل کا صبر ٹوٹ گیا۔آنکھوں میں جوار بھاٹا پھوٹ پڑا۔اس کی زندگی بہت دردناک ہے۔کتنا درد ہے اس کی زندگی میں۔اسے لگا ان شعلوں کی آنچ میں اندر ہی اندر جل رہی ہوں۔

جب زندگی کا سارا رس ہی سوکھ گیا جیسے جیٹھ کی کڑی دھوپ سے پھول لدے پیڑ پودے سوکھ جاتے ہیں،اسی طرح میری زندگی بھی سوکھ گئی۔اسے کہیں کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔اب اسے کسی کی کوئی چاہ نہیں تھی۔نہ سویرے کی خواہش نہ بسیرے کی۔

میں اب اس سے کبھی نہیں مل سکتی ہوں۔اس نے من ہی من عہد کیا۔لیکن دھیرے دھیرے اسے لگا اس کا من کاشف کے پیار کی ڈور سے بندھا ہوا ہے۔اس کا من کاشف سے ملنے کے لیے تڑپنے لگا۔نیند اڑ گئی۔

صبح اٹھی تو سر بھاری لگا۔اس کا کہیں بھی جانے یا کوئی بھی کام کرنے کی مرضی نہیں ہوئی لہٰذا وہ بہت دیر تک بستر پر پڑی رہی۔کبھی دیواروں اور کبھی چھت کو گھورتی رہی۔

ایک ایک پل گزارنا مشکل ہو گیا۔اس کا دل کر رہا تھا کہ اس کے پاس جائے،اس سے باتیں کرے شکایت کرے،اس کے دکھ میں شریک ہوئے لیکن اسے احساس ہوتا کہ وہ کس رشتے سے اس کے پاس جائے۔دن گزرتے رہے۔لیکن اس کی ذہنی پریشانی میں ذرا بھی فرق نہیں آیا۔

کئی دن گزر گئے۔ وقت پنکھ پھیلا کر اڑتا رہا۔ کاشف ماضی کے اوراق پلٹتا ہوا زینب کے کمرے کی طرف دیکھتا برآمدے میں خاموش بیٹھا رہتا۔ اقرا بھی آتی تو اسے دیکھ کر کاشف کی آنکھیں بھر آتی اور وہ اس کے سامنے نہیں جاتا۔ عالیہ اور اقرا اس کی تکلیف سے پریشان تھیں۔ ان کی دوستی پہلے کی طرح ہی تھی۔ اقرا کو تو زینب اور کاشف کے عشق کی بات معلوم ہی نہیں تھی۔

ایک بار پھر وہ بیرون ملک چلا گیا۔ اس کا کاروبار ابھی وہیں تھا۔

چڑیوں کی قطار کی طرح اڑتے جا رہے دنوں کو کسی نے غلیل سے پتھر مار کر گرا دیا اور دن جسے گھائل کی طرح چھٹ پٹاتے ہوئے زمین پر گر پڑے تھے۔ اب ایک ایک کر کے سنبھل کر اڑ رہے تھے۔

کاشف کی بڑی بیٹی ارم آئی تھی۔ وہ عرش کے ساتھ باتیں کرنے زینب کے کمرے میں گئی۔

''آنٹی عرش کہاں ہے؟''

''بیٹی وہ تو اسکول گیا ہے تم میرے پاس آؤ'' اس نے چائے کا پیالا پاس رکھی میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ ارم اس کے پاس بستر پر آکر بیٹھ گئی۔ زینب کا دل چاہا اس بچی کو سینے سے لگا لے۔ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بولی۔ ''بیٹی تمہیں ممی کی یاد آتی ہے؟''

''ہاں آنٹی مجھے ممی کی بہت یاد آتی ہے۔''

''تم میرے پاس آیا کرو میں بھی تمہاری ممی جیسی ہوں۔''

''آنٹی میں روز آجاؤں گی...... مجھے ممی بہت یاد آتی ہے۔'' وہ رونے لگی۔ زینب نے اپنے سینے سے لگا لیا۔ چودہ سال کی بچی کا ماں کی یاد میں رونا، اس کا دل اس کے لیے پانی پانی ہو گیا۔

''تم جب چاہو میرے پاس آجایا کرو۔'' ارم کا سر اٹھا کر زینب نے اپنی گود میں رکھ لیا۔ باتیں کرتے کرتے اسے نیند آ گئی۔ جمیلہ نے دیکھا تو اسے اچھا لگا۔ وہ جا کر عالیہ کو بتا آئی کہ ارم زینب کے پاس ہے۔

دن گزرتے گئے۔ کاشف واپس آیا، اب اس کی بے چینی بڑھتی گئی۔ سامنے رہ کر بھی زینب کو دیکھے بغیر کیسے رہ سکتا ہوں۔ اس کی تکلیف بھی دیکھی نہیں جاتی۔ ایک بار معافی مانگنا چاہتا

ہوں تب میرے گناہ کا بوجھ کم ہوگا۔ میں نے اسے بہت تکلیف پہنچائی ہے۔

جمیلہ اس سے ہمدردی رکھتی تھی۔ وہ آکر ساری باتیں بتاجاتی۔ وہ تو ابھی بھی چاہتی تھی کہ کاشف اور زینب اب بھی مل جائیں۔

زینب کی زندگی کے بارے میں ساری باتیں جان کر کاشف دکھی ہوگیا۔ ایک دن ایسے ہی اپنی سوچ میں گم بیٹھی تھی۔ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ زینب نے فون اٹھایا۔

''پلیز زینی ......فون مت رکھنا۔ میری بات ایک بار سن لو......''

اس کے ہاتھ کانپنے لگے۔ دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ اس نے فون رکھنا چاہا لیکن رکھ نہیں سکی۔ کاشف کی آواز کانوں میں پڑتے ہی وہ اپنی سدھ بدھ کھو بیٹھی۔

''میں اپنا سب کچھ چھوڑ کر واپس آگیا ہوں ......سب کچھ کھو چکا ہوں تمہاری وہ پیار بھری نظر بھی...... مجھے اپنے گھر آنے کی اجازت دے دو......ایک بار پلیز میں اپنے گناہوں کی معافی مانگنا چاہتا ہوں۔''

زینب نے تو جیسے سب سن کر بھی کچھ نہیں سنا۔ اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکل سکا۔

''ہیلو......ہیلو' بولتا رہ گیا۔ فون بند ہونے کے بعد زینب ریسیور کو کان سے لگائے کھڑی رہ گئی۔ بہت دیر بعد خیال آیا کہ ریسیور اس کے ہاتھ میں ہے۔ اس نے ریسیور رکھ دیا۔

کئی دنوں تک وہ بے چین سی گھومتی رہی۔ کسی سے کچھ کہہ نہیں سکتی۔

شام کو عرش ارم کے ساتھ کھیلنے کو کہہ کر وہاں چلا گیا۔ وہ اسے روکنا چاہتی تھی لیکن روک نہ پائی۔

''دوست انکل......میری مما مجھے آپ کے پاس کیوں نہیں آنے دیتی؟''

''بیٹا آپ کی مما سے ہماری کٹی ہے......'' کاشف نے ایک دن بتایا۔

''مجھے آپ سے کہانی سننا، آپ کے ساتھ کھیلنا اچھا لگتا ہے۔''

''تم ہماری کٹی چھڑا دو...... میں آپ کے مما کا بہت اچھا دوست بن جاؤں گا۔'' اس نے عرش کو سمجھایا۔

''ہاں ٹھیک ہے انکل...... میں کٹی چھڑا دوں گا تو مما کے ساتھ روز آسکتا ہوں...... میں آج ہی مما سے کہوں گا۔''

عرش گھر آیا۔ وہ سوچتا رہا مما کی کٹی چھڑانی ہے۔ ماں کے آتے ہی اس نے ماں کی گود میں بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''مما میرے ساتھ چلو...... میرے دوست سے آپ کی کٹی چھڑانی ہے۔''

''میری...... کس سے؟'' اس نے تعجب سے پوچھا۔

''سامنے والے کاشف انکل سے۔''

زینب نے ایک طمانچہ اسے لگا دیا۔ آج پہلی بار زینب نے ایسا کیا۔ جمیلہ بھاگ کر آئی۔ اس نے عرش کو گود میں لے لیا۔

''یہ کیا زینب...... بچے کے ساتھ تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے......'' وہ اسے سمجھاتی رہی۔ جمیلہ کا ہر بات میں سمجھانا، عرش کا بار بار کہنا مما آپ کہتی ہیں نہ دوست سے کبھی کٹی نہیں کرنی چاہیے۔ وہ اس کی بات نہیں سنتی تو وہ بھی اسی طرح کہتا۔ آپ میری بات نہیں مانتی ......اچھے لوگ سب کا کہنا مانتے ہیں۔ عرش کو کچھ سمجھ میں نہیں آتا اپنے دوست کا کام کیسے کرے۔ کاشف اسے نئے نئے طریقے سکھاتا۔ عرش کا اداس چہرہ دیکھ کر اس کا دل اندر ہی اندر پگھلنے لگا۔

ارم اس کے پاس روز آتی۔ اس سے اس کو بہت لگاؤ ہو گیا۔ ایک دن بھی وہ نہیں آتی تو وہ بے چین ہو جاتی۔

چھوٹی بیٹی کومل بھی آتی۔ ان کے لیے وہ بہت سارے کھلونے اور ٹافیاں لاتی۔ عرش ان کے ساتھ خوش رہتا تھا۔ ارم کو تعجب ہوتا کہ آنٹی پاپا سے کیوں نہیں ملتی، پھر سوچتی شاید یہ کسی سے بات نہیں کرنا چاہتی ہے۔

زینب کو دیکھ کر عالیہ کے دل میں ہوک سی اٹھتی لیکن وہ کچھ نہیں کہتی۔ عالیہ بہت پچھتا رہی تھی۔ وہ کئی طرح سے اقرا کو کہتی کہ زنیب کا گھر دوبارہ بسا دو، دبے لفظوں میں کاشف کا نام لیتی۔

ان دونوں میں طے ہوا یہ کام اقبال آئے گا تب اس سے بات کرے گی۔ اقرا جانتی ہے میری بات نہیں مانے گی، شاید اس کے پاپا سمجھا سکیں۔

بالکنی میں ارم اپنے پاپا کے ساتھ کھڑی باہر کا نظارہ دیکھ رہی تھی۔ زینب کو کمرے میں کچھ گھٹن سی محسوس ہوئی۔ وہ کمرے سے برآمدے میں آ گئی۔ سامنے نظر جاتے ہی کاشف سے اس کی نظریں مل گئیں۔

ارم نے چلا کر کہا۔ ''ہائے آنٹی''...... بیرون ملک سے آنے کے بعد آج پہلی بار

کاشف اور زینب کی نظریں ملی تھیں۔

زینب کو لگا اس کے اندر طوفان اٹھ رہا ہے۔ آنکھوں کی کھلی کھڑکی سے باہر کا طوفان اندر آرہا ہے۔ وہ جلدی سے کمرے کے اندر چلی گئی۔

کسی کے سمجھ میں یہ بات آئے یا نہ آئے لیکن مجھے یہ بات سمجھ میں آگئی ہے کہ صرف عورت ہی نہیں ......مرد بھی محبت کرتا ہے۔ آج کاشف کی نظروں نے سمجھا دیا۔

''جمیلہ تم ایک کام کرو میرا خط زینب تک پہنچادو۔'' ایک دن دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر کاشف نے کہا۔

''دیجیے! اس نیک کام میں چاہے میری نوکری چلی جائے لیکن میں یہ کام کروں گی۔''

''ایسا کچھ نہیں ہوگا۔''

''کل خط لے جانا میں لکھ کر تیار رکھوں گا۔'' جمیلہ نے سوچا اگر ان کی زندگی میں رونق آتی ہے تو یہ اچھی بات ہے۔ تھوڑا ناراض ہو کر مان جائے گی۔

آفس سے آنے کے بعد ہی میں خط دے کر چلی جاؤں گی۔ دو دلوں کو ملانا بڑا ثواب کا کام ہوتا ہے۔
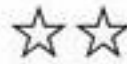
اٹھارہ

ہسپتال سے آ کر زینب چائے پینے کے بعد اپنی ڈاک دیکھنے لگی۔خطوط کے بیچ ایک لفافہ جانی پہچانی تحریروں کا۔وہ دیکھتی رہ گئی۔زور سے چیخی...... جمیلہ یہ لفافہ کس نے دیا۔

اس کے ہاتھ لرز رہے تھے، کاشف کا خط......

''زینب میری بچی تماشا نہ بناؤ، پڑھ لو۔کیا کہنا چاہتا ہے وہ۔''

جمیلہ کی آواز میں جیسے ایک ماں کا پیار بھرا حکم تھا۔اس کے ہاتھ لرز رہے تھے۔کانپتے ہاتھوں سے لفافہ کھولا۔

میری کوئی،

آج سے پہلے میرے لیے یہ دن دن نہیں تھے اور راتیں بھی کسی کی یاد میں بیتتی رہیں۔تمہاری پیار بھری نظر کھو چکا ہوں اور اب سب کچھ بھی۔بس ایک بار تمہارے پاس آنے کی اجازت دے دو......میں معافی مانگنا چاہتا ہوں۔

چاہ کر بھی میں تمہارا کچھ بھی نہیں

ایک گناہ گار ہوں

خط پڑھ کر وہ رو نہ سکی، نہ خوش ہو سکی۔کئی دنوں تک اس خط کو لے کر پریشان رہی۔کوئی جواب نہیں سمجھ میں آیا۔وہ بار بار پڑھتی رہی۔

ایک دن جمیلہ نے ہمت کر کے کہا۔''زینب کچھ تو جواب دینا چاہیے۔رشتے تو خدا کے گھر سے بن کر آتے ہیں۔اس پر کسی کا بس نہیں چلتا۔تمہارا اس طرح ناراض ہونا غلط ہے۔''

وہ کاغذ قلم لے کر خط لکھنے بیٹھ گئی۔کانپتے قلم سے خط لکھنے لگی۔اس نے لکھا۔

بدقسمتی ہے میری......جیسی ہوں ویسی ہی رہنے دو......

جمیلہ کو دے دے دیا۔ جمیلہ لے کر چل دی۔ اسے خوشی تھی آج اس نے میری بات مان لی ہے۔ شاید دھیرے دھیرے......ان میں دوبارہ دوستی ہو جائے۔

کاشب زینب کا خط پا کر خوش ہو گیا۔ کانپتے ہاتھوں سے خط کھولا۔ اس کی ساری امیدوں پر پانی پھر گیا، زینب نے ملنے کی اجازت نہیں دی۔ لگتا ہے وہ ناراض ہے مانے گی نہیں۔ پھر بھی میں ہاروں گا نہیں، کبھی تو مانے گی۔

کاشف نے کئی بار خط لکھنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہیں ہوا۔ پریشان ہو کر سوچتا بیٹھا رہتا۔

ایک دن جمیلہ عرش کو لینے آئی۔ کاشف نے پوچھا ''وہ کیسی ہے؟''

''آپ سے کیا امید کی جائے؟ آپ میں تو اپنی محبت ٹھکرانے کی ہمت ہے، مسئلے سے لڑنے کی نہیں۔'' جمیلہ کے طنز بھرے جملے اس کے کانوں کو تیر کی طرح سے لگے۔ اس کے اندر ہمت پیدا ہوئی۔ اپنی بے وقوفی پہ ہنسی آئی۔ سچ کہتی ہے جمیلہ۔ وہ خط لکھنے بیٹھ گیا۔

میری کوئی،

بدقسمتی تو بغیر بلائے آجاتی ہے۔ تم تو چاہنے پر...... بلانے پر بھی نہیں ملی......تمہارے سامنے آنے کی ہمت نہیں۔ ایک آواز دے دو تو شاید مجھ میں تمہارا سامنا کرنے کی طاقت آجائے۔ پلیز......

تمہارا کوئی

زینب اوپر سے سخت بنتی رہی لیکن ہر لمحے کاشف کا انتظار کرتی۔ اس کا دل کہتا آجاؤ کاشف...... بے من سے اِدھر اُدھر بھٹکتی رہتی۔

اسے لگتا میری تکلیف تو جیسے کپڑے میں ٹوٹی سلائی کی طرح سے اس میں انگلی ڈال کر اسے اور زیادہ ادھیڑنے کی کوشش کر رہا ہے کاشف۔ اس نے جواب دیا۔

پلیز......

میرے پیروں میں ماضی کی زنجیر جکڑی ہوئی ہے۔ اب ان زنجیروں کے ساتھ میں کسی راستے پر نہیں چل سکتی۔ امید ہے اب آپ خط نہیں بھیجیں گے۔

ایک بار پھر فون آیا۔

''زینب پلیز کوئی راستہ نکالو۔''

''نہیں......'' زینب نے اپنی جذباتوں کا گلا گھوٹتے ہوئے کہا۔

وہ پریشان ہو کر جمیلہ کے ہاتھ خط بھیجنے کی سوچ کر خط لکھنے بیٹھ گئی۔

بہت دیر تک کچھ سوچتی رہی۔اس کے من میں طوفان اٹھ رہا تھا۔

پلیز......

مجھے میری زندگی کے بدرنگ کاغذ پر کوئی رنگ نہیں چاہیے۔زندگی کے اوراق پر اب مجھے کوئی دستخط نہیں چاہیے۔ مجھے میرے حال پہ چھوڑ دو۔

کاشف کو لگا یہ مجھے غلط سمجھ رہی ہے۔ میں تو صرف دوستی کا ہاتھ مانگ رہا ہوں۔زینب کچھ اور ہی مطلب نکال رہی ہے۔یہ سوچ کر وہ اور زیادہ پریشان ہو گیا۔

اس نے جمیلہ سے کہا۔''ایک آخری خط لے جاؤ جمیلہ۔''

دوست......

میں تمہارے قابل نہیں رہا۔تم میرے پاس نہیں آؤ گی......اپنی تکلیف میں صرف ایک دوست کو آواز دے رہا ہوں......صرف ایک دوست کو۔

خط پا کر زینب رونے لگی۔وہ تو چاہتی تھی کاشف آئے۔

صبح ہونے لگی۔سورج نے ابھی کروٹ بدلی ہے۔دور دور تک ماحول گھرے کہرے میں ڈوبا ہوا تھا۔سورج نے چہرے کی چادر سے منھ باہر نکال کر جھانکا۔پرندے اپنی جگہ چھوڑ دیے۔ان کی چہک مانو چہک نہیں شور لگ رہا تھا۔

سورج کی کرنیں مسکرا کر زندگی کی نئی صبح کا پیغام دینے لگیں۔کاشف لان میں جا کر بیٹھ گیا۔

اس کے دل کو ذرا بھی سکون نہیں تھا۔زینب کا مکھڑا نظر آ رہا تھا۔سیاہ گھنے بال، گورا رنگ......آنکھوں میں بے شمار چمک اور ہونٹوں پر کلیوں کی تازگی۔کیا زینب اب سچ اتنی سخت مزاج کی ہو گئی ہے جتنی آج دکھائی دے رہی ہے۔کیا اس کی چھاتی میں اب وہ دل نہیں رہا۔لگتا ہے دل نہیں پتھر ہے۔معمولی شرنگار...... بالوں کو کھینچ کر بنایا گیا جوڑا......پھر بھی خوبصورت۔

''پاپا میرے اسکول میں آج مجھے اسٹوڈینٹ ٹور کے لیے روپے جمع کروانے ہیں۔''

ارم نے آ کر کہا۔

''تم میری الماری سے لے لو بیٹا...... مجھے یہاں بیٹھنا اچھا لگ رہا ہے۔''

''ہاں میں لے لوں گی۔'' ارم پاپا کے کمرے میں گئی۔

الماری کھولتے ہی ایک خط نیچے گرا۔ اس نے اٹھایا۔ خط پڑھتے ہی چکرا گئی۔

''اسی لیے پاپا اداس رہتے ہیں۔ پاپا...... یو آر اِن لو...... میں سوچتی تھی ممی کی یاد میں اداس ہیں۔ کس سے پیار کرتے ہیں؟ مجھے نہیں بتائیں گے۔ میں تو ابھی چھوٹی ہوں۔ دادی کو معلوم نہیں ہوگا۔ کس سے معلوم کروں؟ وہ گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

جلدی سے خط جینس کے جیب میں رکھا، روپے نکالے اور باہر آئی۔ اسکول کی بس آ گئی۔ پورے دن سوچتی رہی کیا کروں؟ کس سے معلوم کروں۔ آخر اسے زینب کا خیال آیا۔

''ہاں آنٹی میرا یہ کام آسان کر دے گی...... ان سے ہی کہنا چاہیے۔ وہ پتا لگا سکتی ہیں۔'' اس نے خود سے کہا۔

گھر آتے ہی وہ زینب آنٹی کے پاس پہنچی۔ اس کا چہرہ بتا رہا تھا وہ بہت پریشان ہے۔ وہ جھجک بھی رہی تھی۔ پاپا کی بات کسی کو بتانی چاہیے؟

''آنٹی میری مدد کریں، ایک راج کمار کو کسی سے پیار ہے، اسے خط آیا ہے۔ میں کیسے پتا لگا سکتی ہوں کہ کس کا خط ہے۔'' ارم کے اس طرح کہنے پر زینب نے کچھ نہیں سمجھا۔

''اس کی تحریر سے...... خط دیکھ کر تحریر سے پہچان سکتے ہیں۔ وہ راج کمار ہے کون؟ کیا تمہیں کسی نے خط لکھا ہے؟'' زینب نے پوچھا۔

''ارے نہیں مجھے کون لکھے گا۔'' وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

جمیلہ چائے ناشتہ دینے آ گئی۔ زینب نے اسے کام بتا کر واپس بھیج دیا۔

''میرا چشمہ میز پر رکھا ہے ذرا دینا ارم...... پہلے خط دیکھتے ہیں پھر چائے پیتے ہیں۔''

ارم میز کے پاس چشمہ لینے گئی۔ میز پر ایک ڈائری پر کچھ لکھا ہوا دیکھ کر حیران سی کھڑی رہ گئی۔

''آنٹی...... یہ......'' اس کے منہ سے صرف ایک لفظ نکلا۔ اس نے کانپتے ہوئے ہاتھ سے جیب میں سے خط نکال کر ملایا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ دونوں تحریری ایک جیسی کیسے ہیں۔

''کیا ہوا......ارم......؟اس کے ہاتھ میں اپنا خط دیکھ کر چونک گئی۔

''یہ تو آپ کی......آپ کی تحریر ہے......آپ نے پاپا کو......خط......''

زینب کے اوپر جیسے گھڑا بھر پانی پڑ گیا۔سکتہ جیسی حالت ہوگئی،اس سے کچھ بولا نہیں گیا۔لیکن جلدی ہی سنبھل گئی۔ارم پتھر کی طرح کھڑی تھی۔اسے کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کرے۔زینب اندر ہی اندر کانپ رہی تھی،اس پر کیا اثر پڑے گا؟ پھر جلدی ہی خود کو سنبھال لیا۔

زینب نے اٹھا کر اسے بستر پر بیٹھایا۔پیار سے کہا۔''دیکھو بیٹا تم اپنے پاپا کو یا مجھے غلط مت سمجھنا......تم سمجھدار ہو۔میں تمہیں ساری باتیں بتاؤ گی...... پہلے چائے پی لو۔''

زینب نے اسے اپنے پاس بیٹھایا اور چائے دی۔

''ایک راج کمار جو کالج کا سب سے خوبصورت اور اسمارٹ لڑکا تھا۔ایک لڑکی اس کو پیار کرنے لگی۔ان دونوں کو ایک دوسرے سے بہت لگاؤ تھا۔ساتھ رہنا،ساتھ گھومنا،ایک ہی کالج اور گھر بھی پاس پاس۔دن رات ملنا ہوتا۔ایک دن وقت کی آندھی نے دونوں کو الگ کر دیا۔ دونوں نے اپنے ماں باپ کی مرضی سے اپنی شادی کی،کیوں کہ وہ اپنے والدین کو بہت چاہتے تھے۔اپنی اپنی گھر گرہستی میں مصروف رہے پھر کبھی نہیں ملے۔

راج کمار کی زندگی میں پھر ایک طوفان آیا۔اس کی بیوی کا انتقال ہو گیا اور اس سے بھی بڑا طوفان اس لڑکی کی زندگی میں آیا کہ اس کی گھر گرہستی اجڑ گئی۔اب وہ دونوں اپنے گھر آ گئے۔کبھی نہیں ملتے ہیں۔بس ایک دن راج کمار کا دل حدیں پار کرنے لگا اور وہ اس لڑکی سے دوبارہ دوستی کی مانگ کرنے لگا۔لڑکی کچھ فیصلہ نہیں کر پا رہی ہے۔میری بیٹی تم فیصلہ کرو ان کو دوستی کرنی چاہیے یا نہیں۔''

ارم چپ چاپ اٹھ کر چل دی۔زینب اس کی ایسی حالت دیکھ کر حیران تھی۔ارم اپنے کمرے میں جا کر کچھ سوچنے لگی۔

اسی لیے میں نے پاپا کو ہمیشہ اداس دیکھا ہے۔ممی تیز مزاج کی تھی۔پاپا سے ہمیشہ لڑائی کرتی رہتی تھی پھر بھی پاپا خاموش رہتے تھے۔سوچتے ہوئے اسے لگا سچ میں میرے پاپا تکلیف میں ہی رہے ہیں۔

اسے لگا ایک لمحے میں ہی وہ اپنی عمر سے بڑی ہو گئی ہے۔وقت نے اسے سب کچھ سمجھا

دیا۔ان کی سہیلیاں پیار محبت کی باتیں کرتی رہتی ہیں۔وہ کہتی ہیں پہلا پیار کبھی بھلایا نہیں جاتا۔

میں اپنے پاپا کی تکلیف سمجھ سکتی ہوں۔یہاں آ کر اسی لیے بے چین رہتے ہیں۔میں سہیلی سے صلاح لوں گی.....نہیں.....پر کس سے صلاح لوں۔

اسے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔اسے پریشان دیکھ کر کاشف نے پوچھا لیکن اس نے کچھ نہیں بتایا۔وہ فکرمند ہو گیا۔ارم کو کیا ہو گیا۔

زینب کے پاس بھی نہیں گئی تو جمیلہ کو بھی فکر ہونے لگی۔اسے لان میں خاموش بیٹھی دیکھ کر اس کے پاس گئی۔اس سے پوچھا ''کیا بات ہے؟''

''کچھ نہیں آنٹی۔'' وہ اندر چلی گئی۔جمیلہ سمجھ گئی۔اس خط کی وجہ سے کچھ پریشان ہے۔ سوچا اسے سوچنے دینا چاہیے۔دوسرے دن جمیلہ اس سے ملی۔

''بٹیا تم سمجھدار ہو ان دونوں کی دوستی کروا دو تمہیں اچھی امی مل جائے گی اور باپ کو دوست.....دیکھو پاپا کتنے اکیلے ہیں۔''

''جمیلہ آنٹی میری فرینڈس کہتی ہیں کہ دوسری ماں بچوں کو بہت تکلیف دیتی ہے۔'' ارم نے اپنا ڈر بتایا۔

''ہاں.....کئی عورتیں ایسی ہی ہوتی ہیں۔کیا تمہیں زینب ایسی لگتی ہے؟ وہ تو تمہیں بہت پیار کرتی ہے۔'' اس نے جمیلہ کو نظر اٹھا کر دیکھا۔دوسرے لمحے ہی اس کی آنکھو میں چمک آ گئی۔

''کیا میں ایسا کر سکتی ہوں؟ میرے پاپا کی زندگی میں، میں خوشیاں کیسے لا سکتی ہوں۔''

''ہاں.....تم اپنے پاپا کو بہت پیار کرتی ہو اس لیے تمہیں ان کے لیے کچھ کرنا چاہیے۔'' جمیلہ اسے سمجھانے لگی کہ اسے یہ کام کیسے کرنا چاہیے۔

''تم اب بڑی ہو گئی ہو۔اپنے پاپا اور زینب سے بات کرو.....تمہیں معلوم ہے پاپا تو چاہتے ہیں.....زینب کو تم اور میں منا لیں گے۔مجھے پوری امید ہے تم اسے منا لو گی۔''

''پہلے پاپا سے بات کروں۔''

''پہلے ان دونوں کی آپس میں بول چال کروانی ہوگی۔پھر ان کا جیسا دل چاہے.....''

''ایک کام کرو پاپا سے کہو ایک خط لکھیں.....پہلے میں لے کر جا رہی ہوں۔اب وہ خط تم لے کر زینب کے پاس جاؤ گی۔''

''پاپا ناراض ہوں گے......''

''ہونے دو......اب انہیں منانا تمہارا کام ہے۔''

ارم قلم کاغذ لے کر اپنے پاپا کے کمرے میں گئی۔ وہ ڈر رہی تھی لیکن کاشف کا اداس اکیلا بیٹھا دیکھ کر اس کے دل میں اپنے پاپا کے لیے کچھ کرنے کی طاقت آ گئی۔ اس کے دل میں ایک ہوک اٹھی جو اسے طاقت دے گئی۔

''پاپا پلیز ......اس خط کا جواب چاہیے......'' ارم نے صوفے کے پیچھے کھڑی ہو کر کاغذ، قلم اور زینب کا خط آگے کر دیا۔

اس نے چونک کر دیکھا۔

''یہ تم کہاں سے لے آئی ؟'' جیسے چور رنگے ہاتھوں پکڑا گیا۔

''میں سب جانتی ہوں۔ زینب آنٹی نے مجھے اس راج کمار کی پوری کہانی بتا دی ہے۔'' ارم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''زینب نے......؟'' اسے یقین نہیں ہو رہا تھا۔ وہ چکرا گیا۔ ارم نے پوری بات بتا دی۔

''اب تم واقعی بڑی ہو گئی ہو...... جب زینب نے تمہیں رازدار بنا لیا ہے تو لاؤ میں خط لکھ دیتا ہوں، لیکن خیال رہے اسے تکلیف نہیں ہونا چاہیے۔

''اوکے......اوکے پاپا......آپ خط لکھیں۔'' ارم نے بے چینی سے کہا ''ہری اپ پاپا ......میں خط لے کر جاؤں گی۔ دیکھتی ہوں وہ کیسے نہیں مانیں گی۔''

کاشف نے کانپتے ہاتھوں سے کاغذ لے کر خط لکھا۔ خوشی کے مارے اس کا دل قابو میں نہیں تھا۔ اسے تعجب ہو رہا تھا۔ اب اسے پورا یقین ہو را تھا کہ شاید ارم اسے منا لے گی۔

☆☆☆

انیس

اکتوبر کا مہینہ تھا۔دو پہر نہ گرم تھی نہ سرد۔شامیں کتنی ظالم ہوتی ہیں۔ٹھنڈی لہر سی...... کچھ چنچل۔ٹھہر ٹھہر کر چلتی ہوئی ہوا جسم سے لپٹتی رہتی ہے۔ایسے میں ہر طرف محبوب کا جلوہ ہی نظر آتا ہے۔

پھر نومبر کا موسم آیا۔اپنے ساتھ میٹھی نرم نرم سردی کا موسم لے کر آیا۔سردی کا موسم، ساری گرماہٹ بستر میں آجاتی ہے۔لحاف جیسے خواب اوڑھ کر سونے لگتا ہے۔

''پاپا اپنے کالج کے دنوں کی باتیں بتایئے۔اپنے پورے دوستوں کی باتیں بتایئے۔''
ایک بار ارم پاپا کے پاس جا کر باتیں کرنے لگی۔دونوں میں باتیں ہوتے ہوتے کاشف جانے انجانے میں زینب کی شرارتوں کی باتیں بتانے لگا۔دونوں مل کر ہنستے رہے۔

اس دن کے بعد جیسے کاشف کو ایک اچھا دوست مل گیا اس کے ساتھ بیٹھ کر اس کی باتیں کرتا۔اس نے زینب کے لیے خط لکھا۔

میری سب کچھ،

مجھے صرف ایک دوست چاہیے۔مجھے صرف تمہارا کندھا چاہیے، جب دل چاہے تب سر رکھ کر دل کی بات کہہ سکوں......بس پہلے والا دوست چاہیے۔

کاشف

ہسپتال سے آکر زینب لان میں بیٹھی چائے پی رہی تھی۔اسے لگا کوئی پاس آکر کھڑا ہو گیا۔اس نے کپ میز پر رکھ کر پیچھے مڑ کر دیکھا ارم کھڑی تھی۔اس کے ہونٹوں پر شرارت بھری مسکان تھی۔

''آؤ ارم بیٹھو۔آج تم بڑی خوش ہو۔''

اس نے زینب کے پیچھے سے گلے میں ہاتھ ڈال کر خط آگے کر دیا۔ زینب نے پڑھا، کچھ سوچ کر اس کے ہونٹوں پر درد بھری مسکان پھیل گئی۔

خط پڑھ کر اسے محسوس ہوا کتنے وقت سے یہ اپنی بدنصیبی پر آنسوں بہاتی رہی ہوں۔ اب زخم ہلکے ہونے لگے تو پھر کوئی حادثہ ہونے والا ہے۔

''زینب......'' کاشف کی میٹھی آواز زینب کے کانوں میں پڑا تو شہد بن کر اس کے دل کی گہرائی میں اتر گیا۔

اس نے چونک کر دیکھا کالے سوٹ میں سنہرا چشمہ لگائے اداس مکھڑے پر جانی پہچانی مسکان لیے کاشف کھڑا ہے۔ وہ گھبرا کر اچانک کھڑی ہوگئی۔

اچانک ارم اور جمیلہ کو ہنسی آگئی۔

شام کی سرخی پھیل رہی تھی۔ سورج کا لال گولا دہکتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اس کی کرنیں ساگر کے پانی پر رقص کر رہی تھی۔

زمین اور افق کا سہانہ منظر دیکھ کر ماحول خوش گوار ہوا تھا۔ زینب کی خواہش ہوئی کہ وہ بھی اپنے دل کا پیار کاشف کے سامنے ظاہر کر دے۔ اسے بتادے کہ وہ اس کے بغیر جی نہیں سکے گی۔ وہ خود پر قابو کر رہی تھی۔ کیا وہ اپنے دل کا راز اپنے تک محدود رکھ سکے گی۔

وہ بھی اپنے دل کا راز کاشف کے سامنے ظاہر کر دے......اسے بتادے کہ وہ اس کے لیے بہت تڑپتی ہے۔ اسے لگا کاشف کی چھاتی سے لگ کر رو پڑے گی۔ اس کے دل میں طوفان اٹھ رہا تھا۔

کاشف سے نظر ملتے ہی اس کی آنکھوں کے کنارے آنسوؤں کو روک نہیں پائی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا بھاگ کر اندر چلی جائے۔ لیکن اس کے پیر جیسے زمین سے چپک گئے۔

''بیٹھیے میں سب کے لیے کافی لاتی ہوں۔'' جمیلہ نے کہا۔

''کاشف بیٹھو...... یہ وہی تمہارا دوست ہے۔ زینب تم بھول گئی کیا؟ اقرا نے پاس آتے ہوئے کہا۔

زینب خاموشی سی بیٹھ گئی۔ وہ خاموشی سے چائے پیتا رہا اور اقرا کی باتوں کا جواب دیتا رہا۔ چائے ختم ہوتے ہی چلا گیا۔

شامیں کتنی ظالم ہوتی ہیں۔ٹھنڈی لہر سی...... کچھ چنچل۔ٹھہر ٹھہر کر چلتی ہوئی ہوا جسم سے لپٹتی رہتی ہے۔ایسے میں ہر طرف عاشق کا چہرہ ہی نظر آتا ہے۔پہلے سوچتی تھی کیا محبت ایسی ہوتی ہے اتنی بے بس اور لاچار بنا دیتی ہے۔بے شمار راتیں اس نے جیسے انگاروں پر گزاری تھی۔کسی بھی لمحہ اسے سکون نہیں ملتا تھا۔مگر دل تو دل ہی ہوتا ہے کہیں بھی اب اس سے ناراضگی نظر نہیں آتی۔

زینب کو لگتا محبت دنیا کی سب سے طاقت ور چیز ہے۔تبھی تو کچے گھڑے کو کشتی بنا دیتی ہے۔میں کاشف کو اب دوست کے روپ میں حاصل کرنا چاہتی ہوں۔اب مجھے اور کچھ نہیں چاہیے۔

وہ سامنے برآمدے میں کھڑا تھا۔اسے سامنے دیکھ کر دل دھڑکنے لگا۔دل ضد کرنے لگا کہ اسے دیکھے۔اس کی آنکھوں میں چھانک کر اپنا پہلا پیار دیکھے۔اس کے ہونٹوں پر اپنے پیار کی پیاس دیکھے۔دل میں ایک پیاس جاگی۔

''تم نے میرے علاوہ دوسری سے شادی کرنے کی جرت کیسے کی؟'' اسے پھر جیسے آج دورہ پڑا تھا۔وہ دانت پیستی ہوئی اندر چلی گئی۔وہ ایسے دور سے گزر رہی تھی کہ اسے کچھ سمجھ میں نہیں آر ہا تھا۔وہ اس دوستی کو کس طور پر قبول کرے۔اس کے بغیر وہ خود بھی رہ نہیں سکتی ہے۔لیکن غصہ ابل کر باہر آنے کو کرتا ہے۔وہ جب تک وجہ نہیں جان لیتی اسے سکون نہیں ملے گا۔صرف وجہ جاننا چاہتی ہے۔

وہ چاند سے پوچھنے لگتی ''ایسا کیسے ہو گیا جو بھی میری محبت میں ڈوبا تھا وہ کسی اور کا کیسے ہو گیا؟''

پھر بھی وہ سامنے آتا تو وہ اس سے خوش ہو کر ملتی۔سب کے ساتھ بیٹھ کر اس کی بیرون ملک کی باتیں سنتی۔ارم کو اس سے بہت لگاؤ ہو گیا۔وہ اپنی ساری باتیں آ کر اس سے بتاتی۔زینب بھی ان بن ماں کی بچیوں کو ماں کی محبت سے نہال کر دیتی۔اب روز ملنا ہوتا۔

محبت میں وقت کو پنکھ لگ جاتے ہیں۔اسے رات میں اب خوب گہری نیند آتی۔صبح میں آنکھیں خوابوں کا خمار لیے کھلتیں۔

زینب سوچتی ہم ڈاکٹر مریض کو نیند کی گولیاں کیوں دیتے ہیں؟ مریض کو محبت کرنے کا مشورہ کیوں نہیں دیتے۔مریضوں کو کہنا چاہیے نیند کی گولی مت لو کسی سے محبت کر لو۔اس کے اپنے خیالوں پر خود ہی ہنسی آ گئی۔

جب بھی وہ سامنے بیٹھا ہوتا، اطمینان سے مسکراتا۔ اسے مسکراتا ہوا دیکھ کر وہ سوچتی جو دوسروں کے دل میں آگ لگا دیتے ہیں خود اتنی سکون سے کیسے جی سکتے ہیں۔

ایک دن دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر زینب کاشف کے پھولوں بھرے پارک میں گئی۔ وہ بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا۔ مالی نے فوراً پارک میں پانی ڈالا تھا۔ چاروں طرف پھولوں کی مہک اور گیلی مٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو اٹھ رہی تھی۔ ماحول خوش گوار تھا۔

''زینب کیا مجھے کوئی کوئی امتحان پاس کرنا ہوگا۔'' اسے اکیلی پا کر کاشف نے پوچھا۔

اچانک وہ کچھ جواب نہیں دے پائی۔ اس کے اس بھولے پن سے پوچھنے پر سوچ میں پڑ گئی۔ ان دنوں وہ کشمکش میں گزر رہی تھی۔ روز روز ملنا، بچوں کے لیے پیار یہ سب اس کے دل کو ایک جگہ نہیں رہنے دیتے۔ غصہ سر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ ایک دن اچانک اس کے ہونٹوں پر سوال آیا۔

''غزالہ سے شادی......'' اس کے منہ سے الفاظ گولی کی طرح نکلے۔

''ہاں تمہیں معلوم ہونا چاہیے......غزالہ سے شادی کی وجہ......ہم نے غلطی کی، ہم نے اپنی محبت کے بارے میں اپنے گھر والوں کو نہیں بتایا۔ میری می نے مجھے اچانک بلا کر خودکشی کرنے کی دھمکی دے کر وہ سب کچھ کرا لیا جو میں نہیں کرنا چاہتا تھا......زینب مجھے اکلوتے بیٹے کا فرض نبھانا پڑا۔ پاپا کے بزنس کے لیے میری ماں نے مجھ سے میری قربانی مانگی، یہاں سب کچھ پہلے سے طے تھا۔''

''کیا......آنٹی نے مجبور کیا؟ مجھ بتا تو سکتے تھے۔''

''سب کچھ ہونے کے بعد تمہیں کیسے خبر کرتا......تمہارے سامنے آنے کی ہمت نہیں کر پایا۔'' کاشف کی درد بھری آواز زینب کو اندر تک ہلا دی۔

''میرا نصیب''

وجہ جاننے کے بعد زینب کاشف کی کوئی غلطی نہیں نکال سکی۔ تب سے لمبی لمبی ملاقاتیں ہونے لگیں۔ کبھی وہ اس کے لان میں ہوتی، کبھی وہ بچوں کے لیے ان کے ساتھ پکنک پر ہوتے۔

☆☆☆

بیس

زینب اب بہت خوش رہتی ہے۔

ہرن جیسی بڑی بڑی آنکھوں میں چمک آ گئی۔لہراتے بال اور سادے کپڑوں میں زینب کو کوئی دیکھتا تو دیکھتا ہی رہ جاتا۔وہ ایسی لگتی جیسے آسمان سے پری زمین پر کرآ کر کھڑی ہوئی ہے۔

کومل نے آ کر بتایا میرے پاپا کو تیز بخار ہے۔وہ خود کو روک نہ سکی۔جلدی سے پہنچ کر علاج میں لگ گئی۔عالیہ، اقرا جمیلہ اور گھر کے سب نوکر جمع ہو گئے۔ارم نے بتایا ڈاکٹر نے دوائیاں دی ہے۔

زینب کے علاج سے بخار کچھ کم ہوا۔

''زینب''

کڑوے لہجے میں اس نے پکارا۔اس کی آواز میں بے شمار درد تھا۔کاشف کی ایسی حالت دیکھ کر زینب کے دل کا کونا کونا رو پڑا۔

''میں نے تمہیں بہت تکلیف دی......''

''اچھا اب چپ چاپ لیٹے رہو......ڈاکٹر کا حکم ہے''اس کی آنکھوں اور باتوں میں مصنوعی غصہ تھا۔

اب وہ اسے روز دیکھنے آنے لگی۔نوکر چائے رکھ گیا۔زینب نے چائے کا پیالہ کاشف کو تھمایا۔وہ بہت خوش نظر آیا۔اسے اپنے ہاتھ سے چائے پلائی۔

''آج میرا دوست 'کمل' ہندوستان آ رہا ہے۔ہماری کمپنی میں حصے دار تھا۔اس میں بہت سے خوصوصیات ہیں جس سے وہ نہ کہ صرف بڑے بڑے چیلنج کا مقابلہ کر لیتا ہے بلکہ دوسروں کے دل کے درد کو بھی بانٹ لیتا ہے۔''وہ اس کی باتیں کیے جا رہا تھا۔

زینب کو بھی اس سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔اس نے دیکھا سچ میں کمل بہت سادے مزاج کا آدمی ہے۔اس کے ساتھ اس کے بھائیوں نے دھوکا کیا۔پوری زندگی اس نے بیرون ملک میں پیسے کما کر ان کو بھیجا۔اب آنے پر دونوں بھائیوں نے کہہ دیا ہمارے پاس سب ختم ہو گیا۔اب یہ حالت ہے کہ کوئی اپنے گھر پر رکھنے کو تیار نہیں ہے۔

زینب کو اس کے بارے میں جان کر تکلیف ہوئی۔کاشف نے بتایا اس کا میرے بزنس میں جو پیسہ لگا ہوا ہے،اچھا ہوا میں نے اسے پہلے نہیں دیا۔اب اس کے پاس ابھی جو لایا ہے اور میرے پاس جو ہے سب ملا کر بہت ہے۔اسے کوئی پریشانی نہیں ہوگی اپنا نیا کاروبار شروع کرنے میں۔

اکثر کاشف، کمل اور زینب شام کو ساتھ بیٹھ کر چائے پیتے یا بچوں کو پکنک پہ ساتھ لے جاتے۔زینب نے نیلم کی پوری کہانی ان دونوں کو بتا دی۔

کچھ دن رہ کر کمل واپس دہلی گیا۔وہ جلدی ہی اپنا کاروبار شروع کرنا چاہتا تھا۔ایک دن کاشف نے کہا''اس کی عمر ابھی زیادہ نہیں ہے زینب تم اس کے لیے کوئی لڑکی دیکھ کر اس کا گھر بسا دو۔اس دن سے اسے نیلم یاد آنے لگی۔کاش..........نیلم سے ان کی شادی ہو جائے......وہ ان کے لیے بہتر رہے گی۔

اب جب بھی فون آتا ہے وہ بتاتی ممی کی طبیعت اب ٹھیک نہیں رہتی ہے۔ماں کہتی ہے تم یہاں آجاؤ میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ کیا کروں؟

زینب مشورہ دیتی ماں سے بڑھ کر کوئی نہیں تم دیر مت کرو۔ایک دن نیلم وہاں کی نوکری چھوڑ کر آ گئی۔وہ زینب سے ملنے ممبئی آئی۔اس نے کمل کو بھی بلا لیا تھا۔

ایئر پورٹ پر سب اسے لینے گئے۔کمل نے لال گلابوں کا گلدستہ نیلم کو نذر کیا۔اس کے ساتھ پرچی لگی تھی،جس پر لکھا تھا-ایک بہادر لڑکی کے لیے......کمل۔

گلدستہ پا کر وہ کچھ سمجھ نہ پائی۔زینب کی آنکھوں میں پیار کا ساگر مچل رہا تھا۔نیلم اسے دیکھ کر خود کو روک نہ پائی اور آگے بڑھ کر اس کی بانہوں میں سما گئی۔

کھانا کھانے کے بعد زینب کے بیڈ پر لیٹ کر دونوں باتیں کرنے لگیں۔

''اب کیا کرنے کا ارادہ ہے۔''اس نے پوچھا۔

''دل چاہتا ہے اب گھر میں بیٹھ کر آرام کروں ...... من سے بہت تھک گئی ہوں''

''واہ آئیڈیا اچھا ہے۔ میرا مشورہ ہے ایک بار پھر نئے سرے سے زندگی کی ابتدا کرنی چاہیے ...... تمہیں گھریلو کاموں میں مصروف ہو جانا چاہیے ...... جس سے تمہیں تکان نہیں لگے گی۔ گھر میں چھوٹے چھوٹے بچے بھی ہونے چاہیے۔''

''کیا......؟ زینب تجھے یہ کیا سوجھ رہا ہے ...... ایسا مذاق۔'' اس نے تعجب سے پوچھا، اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ تم تو جانتی ہو زینب......''

''میرا مقصد تمہارا دل دکھانا نہیں ہے۔ ماضی کو بھلا دو۔ ہمیں یاد نہیں کرنا ہے۔ آج تک تمہاری زندگی کے فیصلے تم نے لیے ہیں۔ اب تم نہیں میں جو کروں گی تمہیں ماننا ہوگا۔''

''میری تو سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا ہے ...... تم کیا کہنا چاہ رہی ہو زینب۔'' وہ حیران ہو کر بولی۔

زینب کو لگا یہی صحیح وقت ہے۔ اسے ذہنی طور سے دھیرے دھیرے تیار کرنا ہے۔ اس کی آنکھوں میں پیار اور ہمدردی کا جذبہ ابھر آیا۔

''میں تمہیں اپنی چھوٹی بہن مانتی ہو۔ آج سے ہر فیصلہ میں لوں گی ...... سمجھی تم۔ ہمارے قریبی دوست کمل کمار......''

وہ سن کر حیرت میں پڑ گئی۔ اسی وقت زینب اسے سب کچھ بتاتی گئی اور وہ سب سنتی رہ گئی۔ اس کا تو دنیا سے بھروسہ ہی اٹھا گیا تھا۔ وہ حیران رہ گئی۔ یہ کیا سوچ رہی ہے میرے لیے۔ پھر شادی...... نہیں ...... یہ ممکن نہیں۔ اس کی ہمدرد سہیلی ...... اسے کہے بھی تو کیا کہے؟

''اسے سب کچھ بتا دیا ہے۔ سچے انسان کی پہچان کرنی آ گئی ہے مجھے۔ اس نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ میں اسے عزت واحترام سے اپناؤں گا، اگر تم چاہو گی تو......''

پانچ دن بعد وہ دوبارہ کمل کی چرچا کرنے لگی۔

''تمہاری بھی تو اتنے دنوں میں کوئی رائے بنی ہوگی۔ تمہیں پہلے نہیں بتایا کہ تم پہلے عام نظریے سے دیکھو، جانو پہچانو۔ آج میں نے دیکھا اس سے تمہاری دوستی اس سے عام نہیں گہری ہے۔ تمہارے خیالات ملنے پر ہی تم نے اس سے دوستی کی ہے۔''

اسے خاموش دیکھ کر کہا ''نیلم زندگی میں سارے دن برابر نہیں ہوتے نہ ہی سارے مرد

ایک جیسے ہوتے ہیں۔تم اس بارے میں سوچنا۔"

نیلم کی آنکھیں نم ہوگئیں۔ بڑی مشکل سے اس نے خود کو رونے سے روکا۔ چہرے پر درد اور مصیبت جھلک آئی۔زینب نے دیکھ لیا مگر خاموش رہی۔ وہ جانتی ہے جس نے دھوکا کھایا ہو اسے کتنی تکلیف سے گزرنا ہوتا ہے...... کیسے کرسکتا ہے کسی پر یقین۔

لوگ پیار کی گہرائی کو نہیں سمجھتے۔اس نے جمیلہ کو بلا کر چائے منگوائی۔ جمیلہ چائے رکھ گئی۔دونوں چپ چاپ چائے پینے لگیں۔

دوسرے دن زینب نے کاشف کے ساتھ کافی ہاؤس جانے کا پروگرام بنایا۔نیلم اور زینب کافی ہاؤس پہنچی۔اس کے سامنے ہی کاشف ایسے ملا جیسے وہ نہیں جانتا کہ یہ دونوں یہاں آنے والی ہیں۔

ان کو دیکھتے ہی بولا۔"آپ یہاں کیسے...... میں بچوں کے لیے کچھ سامان لینے نکلا تھا،سوچا کافی پی لیتا ہوں اور یہ تو بہت اچھا ہوا آپ لوگوں کا ساتھ مل گیا۔"

زینب نے کافی کا گھونٹ لے کر کپ میز پر رکھتے ہوئے کاشف کو بتایا۔

"میں نے اسے کمل کے بارے میں سوچنے کو کہا۔"

"نہیں زینب اب اور کچھ سہنا نہیں چاہتی ہوں۔" وہ جلدی سے بولی۔

"اب میرا فیصلہ تمہیں ماننا ہے بس" وہ ضد کرتے ہوئے بولی۔

"میں ان لمحوں کو بھول نہیں سکتی۔" وہ بے بس ہوکر بولی۔

"لمحے بھر میں تم سب بھول جاؤ گی۔ایک بار اس دیوتا کے بارے میں بھی سوچ لو۔"

کاشف نے اپنی تعلقات کی وجہ سے اسے یقین دلایا۔

"کاشف بھی تمہاری پوری مدد کرے گا۔" زینب نے کہا۔

نیلم کل چلی جائے گی۔آج خوب باتیں کریں گے سوچ کر زینب رات کے کھانے کے بعد لان میں لے آئی۔دونوں بیٹھی پہلے تو اپنے بیرون ملک میں کام کرنے والوں کی باتیں کرتی رہیں۔تھوڑی دیر بعد اس نے سوچا اب جواب لینا چاہیے۔

"زندگی میں بھی کیسے کیسے حادثے ہو جاتے ہیں اور پھر وقت کے ساتھ انسان ان حادثوں کو بھول جاتا ہے۔تم بھی وقت کے ساتھ سب بھول جاؤ گی۔کوئی بھی زخم ہمیشہ ہرا نہیں رہتا۔"

زینب نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔ ''آج تک ہم نے مرد کی اندورونی خوبصورتی نہیں دیکھی اب میں نے ایک مہینے میں کمل کی اندورونی خوبصورتی کو دیکھا ہے۔''

''دنیا میں ایسے بھی مرد ہیں جو چہرے کی خوبصورتی کے ساتھ اندورونی خوبصورتی کے بھی امیر ہیں، کاشف کو دیکھنے کے بعد مجھے بھی ایسا لگا۔ زینب......''

''تم بات کا رخ مت موڑو نیلم۔''

''زینب میں نہیں چاہتی کہ اب میں پھر کسی کی محبت میں مر مٹوں ...... پھر کوئی میری زندگی میں آئے۔ مجھے ڈر لگتا ہے۔''

''نہیں ایسا مت سوچو۔ وہ تمہاری صورت پر نہیں سیرت پر مر مٹے گا۔ وہ سچائی سے محبت کرتا ہے...... نیلی۔''

''میرا دل پیار سے ڈرا ہوا ہے...... میں کیا کروں؟'' نیلم نے ایک لمبی سانس لے کر کہا۔

''دنیا سے سامنا کرنے کی طاقت پیدا کرو۔''

زینب اور کاشف نے نینی تال گھومنے جانے کا پروگرام بنایا۔ نیلم کو بھی روک لیا۔ اس کی کوشش تھی کہ اس طرح رہنے سے یہ کمل کو پہچان سکے گی۔ بچوں کے ساتھ سب چار دن کے لیے نینی تال گئے۔

کمل اور نیلم کو اکیلا چھوڑ کر دونوں بچوں کو لے کر دور نکل جاتے، چاروں طرف ہریالی ہی ہریالی تھی۔ مال روڈ پر پیدل چلنے والے مسافروں کی بھیڑ تھی۔ اس بھیڑ کا حصہ بنے نیلم اور کمل جھیل کی طرف بڑھ رہے تھے۔

شام بہت آہستہ آہستہ ڈوب رہی تھی۔ اس شام کے ساتھ ماحول کی رنگینی میں بھی چار چاند لگنے لگے۔ علاقے کے چپے چپے میں پھولوں بھری خوبصورتی قدرت کی دین تھی۔

ڈوبنے والے سورج کی سرخی چھٹک کر افق تک پھیلنا شروع ہوگئی تھی۔ سب نے جھیل کی سیر کی۔ بچے بہت خوش تھے۔ زینب اور کاشف اپنی اپنی سوچ میں کھوئے ہوئے تھے۔ ہوٹل میں کھانا کھا کر سو گئے۔

صبح نہا دھو کر لان میں آگئی۔ وہ غور سے پھول کی کیاریوں کو دیکھنے لگ گئی۔ پھول پتیوں کے ہونٹوں پر شبنم کی بوندیں صبح کی لمس کو پا کر موتیوں کی مانند چمک رہے تھے۔ ہوٹل کے

کنارے چہار دیوری کی جگہ پر لوہے کی پائپ لگے تھے۔لوہے کی ریلنگ پر ہاتھ رکھ کر نیچے دور تک پھیلی ہری بھری گھاٹیاں دیکھنے لگی۔پرندے دور تک ہوا میں قلابازی لگا کر من موہک ماحول کا مزہ لے رہے تھے۔

اچانک وہ پیچھے پلٹی۔سامنے کمل کو آتے دیکھا۔

''دیکھئے کمل جی منظر کتنا خوبصورت ہے''یونہی اس کے منھ سے نکلا۔

''نیلم جی مجھے ایسے منظر سے بہت لگاؤ ہے۔چلئے تھوڑی دور گھومنے چلتے ہیں۔ہوٹل کے باہر پگڈنڈی پر اتر گئے۔

ان چار دنوں میں نیلم کے دل میں کمل کے لیے جگہ بن گئی۔اس کی سادگی اور پیار بھرے رویے نے اس کا دل جیت لیا،لیکن وہ چپ رہی۔ممبئ واپس آنے پر زینب نے پوچھا۔

''کیا سوچا پھر......؟''

''کچھ کہہ نہیں سکتی۔''

''اب تم کو نہیں مجھے سوچنا ہے......تم ممی کو یہاں لا رہی ہو یا میں لینے جاؤں؟ میں تو کمل جی کو لے کر ممی کے پاس جاتی ہوں تم ڈرتی رہو۔''

اس نے کچھ اس طرح کہا جیسے وہ ابھی نیلم کے ممی کے پاس جا رہی ہے۔اسے اٹھتا ہوا دیکھ کر نیلم ہنسنے لگی۔

''اچھا بابا میں ہی لے آؤں گی۔پہلے میں گھر تو جاؤں۔''نیلم بولی۔

''سچ......اس کا مطلب تم مان گئی......کمل جی کا جادو چل گیا۔اس نے مسکراتے ہوئے کہا تو نیلم کا چہرہ لال ہو گیا۔

زینب نے کہا۔''ماں کو جلدی ہی لانا ہوگا۔''

صبح نیلم جا رہی ہے اس لیے زینب نے کاشف کے خاندان کے ساتھ کمل کو بھی شام کے کھانے پر بلا لیا۔

کھانے میں ابھی دیر ہے سب لان میں بیٹھ گئے۔نیلم اٹھ کر لان میں ٹہلنے لگی۔شرارت کرتی ہوا اس کی ساڑی کو اپنے ساتھ اڑا لے جانے کی کوشش کرتی۔کبھی اس کی خوبصورت پلو کو بار بار لہرا دیتی۔اس کی کالی کالی لٹیں جھوم کر اس کے گالوں یا جبیں کو چوم لیتیں۔ایک ہاتھ سے

ساڑی اور ایک ہاتھ سے لٹوں کو سنوارتی رہی۔ وہ دودن سے سوچ وفکر میں تھی ۔زینب کے ذریعے کمل دعوت نامہ قبول کرے گا یا نہیں۔

کچھ دیر بعد وہ کاشف کے سامنے آ کر بیٹھتے ہوئے بولی۔ ''بھائی صاحب اب آپ شادی کر لیجئے۔''

''بھلا مجھ سے شادی کون کرے گا؟ نہ تو میں اب جوان ہوں نا خوبصورت رہا۔اب تو بوڑھا ہو گیا ہوں...... نا مجھ میں ایسی کوئی بات ہے کہ میں کسی کو پسند آسکوں۔'' اس نے زینب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''غلط...... آپ تو بہت خوبصورت ہیں۔ میں نے ڈھونڈ لی ہے آپ کے لیے لڑکی۔ میری شرط ہے آپ کو اسی لڑکی سے شادی کرنی ہوگی، جسے میں نے آپ کے لیے پسند کیا ہے۔'' نیلم کی مدھر مسکان اسے زینب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک پیغام دے رہا تھا۔

اس کی باتیں سمجھتے ہوئے کمل بولا۔ ''ہاں کیوں نہیں...... تم لڑکی کے گھر والوں کی طرف کی اور میں لڑکے کی طرف کا...... ہم شادی طے کر دیتے ہیں۔

زینب اٹھ کر اندر چلی گئی۔کوئی کچھ نہیں سمجھ سکا کہ یہ اندر کیوں چلی گئی۔لگتا ہے خوش ہو کر گئی ہے،اس کے ہونٹوں پر ہلکی مسکان تھی۔کاشف بھی خاموش بیٹھا رہا۔

نیلم بھی اس کے پیچھے اندر گئی۔تھوڑی دیر میں سب کھانا کھانے لگے۔ہنسی مذاق کے ساتھ سب کھانا کھا کر چلے گئے۔

نیلم کو وداع کرتے وقت کاشف نے نیلم کو ایئر لائن کی ٹکٹ دیتے ہوئے کہا۔ ''ممی کو لے کر تین دن میں واپس آنا ہے۔ مجھے بڑے بھائی کا فرض نبھانے کا موقع دوگی؟'' کاشف کے اس طرح کہنے سے نیلم کی آنکھیں بھر آئیں۔

''زینب مجھ سے وعدہ کرو...... تم کاشف کو اپنا لوگی۔'' نیلم بولی۔

سنتے ہی کمل اور کاشف کی آنکھوں میں چمک آ گئی۔نیلم جہاز میں بیٹھی کمل کے بارے میں سوچنے لگی۔

بہت ہی شریف جذباتی فطرت کا ہے کمل۔ وہ بہت سوچ سمجھ کر بڑی شرافت اور اثر انداز طریقے سے بات کرتا ہے۔رنگ گورا نہیں تھا لیکن تیکھے خوبصورت نین نقش میں ہی ایسی

خوبصورتی تھی کہ لمحے بھر کو اسے دیکھنے والا دیکھتا ہی رہ جائے۔

اب ماں کو کیسے بتاؤں ۔زینب ہی سب بتادے گی۔زینب کے گھر سے واپس آنے پر اپنے گھر پہنچتے ہی ماں نے دیکھا بیٹی کے مرجھائے چہرے پر آٹھ دن میں ہی رونق آ گئی ہے۔نیلم ادھیڑ بن میں تھی کہ ماں کو بتاؤں یا نہیں۔

ماں چائے بنا کر لائی۔

''لو پی لو سفر کی تکان اتر جائے گی۔''

چائے پیتے ہوئے ماں نے دیکھا وہ کچھ کہنا چاہتی ہے،لیکن وہ کہہ نہیں پا رہی ہے۔

''کیا بات ہے نیلو تم پریشان سی ہو۔'' اسے جواب نہیں سوجھا۔

بیگ سے ساڑی نکال کر بیگ کی زنجیر بند کرتی رہی کوئی جواب دیتے نہیں بنا۔کیسے بتائے ماں کو کہ زینب کے گھر کیا بات ہوئی ہے۔کیا بتادوں؟ میرے لیے نئی صبح ہونے والی ہے۔

ماں کو پتا نہیں تھا بیٹی کی زندگی میں کتنا بڑا بدلاؤ ہونے والا ہے۔وہ اچانک گھوم پڑی۔ ماں کی طرف دیکھا اس نے کانپتے ہونٹوں سے کہا۔''ماں میں کچھ نہیں چھپاؤں گی۔اس وقت مجھ سے کچھ مت پوچھو۔میں کچھ نہیں بتا پاؤں گی......بس دو دن بعد تمہیں میرے ساتھ زینب کے گھر چلنا ہے۔''

''کیا......ابھی تو تم آئی ہو؟''

''ماں فکر کرنے کی کوئی بات نہیں ہے،خوشی کی بات ہے......زینب کی خوشی میں شامل ہونے چلنا ہے۔اس کی دوبارہ شادی......''

اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ماں اتنے میں ہی مطمئن ہوگئی۔وہ بغیر اپنی ماں سے نظریں ملائے نہانے چلی گئی۔

☆☆

اکیس

وہ روز خواب دیکھتی، کاشف اطمینان سے مسکراتا ہوا پیار بھرے انداز میں اس سے کہتا۔ ''دیکھو زینی...... آخر ہم تم زندگی کے کس موڑ پر کس طرح آکر ملے ہیں۔ میں سچ کہتا ہوں زینب اگر تم نہیں ملتی تو میری زندگی ادھوری ہی رہتی۔''

زینب ہسپتال گئی۔ کاشف دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس کو لینے آ گیا۔

''ایک کپ کافی پینے چلو گی میرے ساتھ۔'' اس نے پوچھا۔ وہ اپنے ساتھ والی ڈاکٹر کو کہا میں ضروری کام سے جا رہی ہوں۔ ایک گھنٹے میں آ جاؤں گی۔

وہ اسے کافی ہاؤس لے گیا۔ یہاں آ کر اسے برسوں پہلے کے دن یاد آ گئے۔ وہ لمحے جو انہوں نے اس کافی ہاؤس میں گزارے تھے۔ وہ الجھن میں تھی۔ اس وقت یہاں لانے کا کیا مطلب۔ جب کہ اب روز لمبی لمبی ملاقاتیں ہوتی تھی۔ کبھی بچوں کے بہانے پکنک، کبھی اپنے گھروں کے لان میں گھنٹوں اپنے دوستوں کی طرح ساتھ بیٹھے باتیں کرتے تھے۔

''بتاؤ زینب اب میں کون سا امتحان دوں۔'' کہتے ہوئے وہ قریب آ کر اس کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا۔ اس کی آواز میں گزارش تھی۔

''میں نے سعد کو بتایا تھا۔''

''سعد کو......'' اسے تعجب ہوا۔

''پلیز معاف کر دو اگر میری مجبوری نہیں ہوتی تو میں ایسا ہونے نہیں دیتا...... ممی نے اپنی جان دینے کی کوشش نہ کی ہوتی......'' کاشف کی آنکھوں میں درد بھری سچائی تھی۔

''کیا......'' اچانک سچائی سامنے آنے پر وہ چونکتی گئی۔

''بتاؤ زینب میں مما کو کیسے مرنے دیتا۔ انہوں نے اپنے سینے پہ چاقو رکھ لیا تھا۔ میں یہ

بات سعد کو شادی کے دن ہی بتا دی تھی۔اس نے تم لوگوں کو کیوں نہیں بتایا؟ سعد نے ایسا کیوں کیا؟''

حیرت اور غصے سے زینب اندر ہی اندر سعد کی چالاکی سمجھ کر حیران تھی۔اس کے دل کے تخیل میں شدید طوفانی لہریں اٹھنے لگیں۔

''کیا ہوا زینی تم ٹھیک تو ہو۔''اس کی عجیب حالت، چہرے کے بدلتے رنگ کو دیکھ کر کاشف نے سوچا اسے کیا ہو گیا۔

''کاشف پلیز...... مجھے تھوڑی دیر اکیلی چھوڑ دو۔''

''چلو تمہیں ہسپتال چھوڑ دیتا ہوں'' وہ جلدی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر گاڑی تک لے گیا۔وہ سمجھ رہا تھا کہ میری ماں کی باتوں سے اسے صدمہ پہنچا ہے۔زینب کے منہ سے ایک آہ نکلی۔

اس کے دل میں ایک نفرت اٹھی۔پکار اٹھی کاشف۔اس کے جسم میں خون کے ایک ایک بوند تڑپ کر پکار اٹھے۔میں نے کاشف کو غلط کیوں سمجھا؟ کیوں شک کیا میں نے کاشف پر؟ کیسے گزارے ہوں گے اتنے سارے دن میرے بغیر۔مجھ سے بچھڑنے کا اس کو بھی گہرا صدمہ تو لگا ہی ہے اور اب میرا رویہ اسے تکلیف پہنچا رہا ہے۔اس کے سینے میں اس کا دل بے چین ہو گیا۔

وہ ہسپتال میں رک نہ سکی، گھر چلی گئی۔کمرے میں پہنچتے ہی کاشف کو فون لگایا۔وہ کہنا چاہتی تھی......قسمت کے آگے کسی کا زور نہیں۔

فون کاشف نے ہی ریسیو کیا۔اس کی آواز پہلے رات دن اس کے کانوں میں رس گھولتی تھی، وہ مٹھاس ابھی بھی قائم تھی۔

''ہیلو......ہیلو......''اس کے کانوں میں شہد اترنے لگا۔اب تو شک دور ہو گیا۔بہت تڑپے ہیں ہم دونوں ادھر اسے لگا زینب کے علاوہ کوئی اور نہیں ہوسکتی۔اس نے واپس فون لگایا۔

''ہیلو...... ڈاکٹر کسی ذہنی یا جسمانی مریض کو پریشان کرنا جرم ہے۔اس لیے کچھ تو بولو...... میں نے کہا نہ میرا امتحان لے لو...... چاہو تو میری جان حاضر ہے۔''وہ مسکراتی ہوئی فون ہاتھ میں لیے کھڑی رہی۔پھر ریسیور رکھ کر پلنگ پر لیٹ گئی۔

اسے لگا جب میں نے کاشف سے محبت کی تھی، ایسی محبت جو ایک عورت کی پہلی اور آخری محبت ہوتی ہے۔اس نے ہمیشہ ہی کاشف کی قربت حاصل کی تھی۔کالج میں ساتھ رہنے کی

وجہ بھی قربت تھی، لیکن جب وہ بچھڑا تو اس کا تڑپنا فطری تھا۔ اسے لگا مانو اس کی دنیا سونی ہوگئی اور اب ......

کاشف کے دل کی یہ ایسی پکار تھی جو زینب کے دل کو چھو گئی۔ من ہی من رو پڑی۔ اس کی خواہش ہوئی کہ وہ بھی اپنے دل کا پیار کاشف کے سامنے ظاہر کردے۔ اسے بتا دے کہ وہ بھی اس کے بغیر چین سے نہیں رہ پائے گی۔

کاشف کو تو یقین تھا کہ یہ اب بھی مجھے چاہتی ہے۔ اپنے دل و دماغ میں بسائے ہوئے ہے۔ اس کی خاموشی اس بات کی ثبوت ہے کہ یہ میرے لیے اب بھی تڑپتی ہے۔

ادھر زینب سچائی جان کر اندر ہی اندر تڑپ رہی۔ کیوں کیا آنٹی آپنے ......میری نہیں اپنے بیٹے کی زندگی کا تو سوچا ہوتا۔ جب آپ کو معلوم ہوگیا تھا تو بیٹے سے دشمنی کیوں کی۔ عالیہ آنٹی ایک بار تو اپنے بیٹے سے پوچھ لیا ہوتا۔

اکثر رات کی خاموشی میں اس کے ہونٹوں پر دبی دبی سسکیاں ہوتیں۔ کاشف کے بارے میں سوچتی تو اسے لگتا میری تڑپ میں کاشف کی تڑپ بھی شامل ہے۔ جو اسے اپنی جان سے بڑھ کر چاہنے پر بھی اپنانے میں کامیاب نہ ہوا۔

ساگر کے کنارے جا کر گھنٹوں بیٹھ کر اس کے بارے میں سوچتی رہتی۔ کاشف کی سنجیدگی اس کے مکھڑے پر چھائی رہنے والی اداسیاں۔ آنکھوں میں پچھتاوے کا احساس، اس کا درد بھرا انداز مانو ہر آہ کے ساتھ التماس کرتے ہوئے اس سے بھیک مانگ رہا ہو۔

''میری چاہت چھن گئی...... بیوی نہیں رہی۔ ان چھوٹی بچیوں کو پیار کی ضرورت ہے...... ایک ماں کی ممتا کی ضرورت ہے۔'' ایک دن موقع دیکھ کر کاشف نے ہمت کر کے کہہ دیا۔

وہ اپنے ہاتھ کی انگوٹھی کو گھماتی ہوئی نظر نیچے کیے بیٹھی رہی۔ ''اب تم مجھ سے چاہے نفرت کرو۔ تمہیں میری محبت کی ضرورت ہو یا نہ ہو مگر ان لڑکیوں کو ماں کی ضرورت ہے۔ زینب تم جانتی ہو وہ تمہیں کتنا چاہتی ہیں۔'' کہہ کر کاشف چلا گیا۔ اسے آواز دینا چاہ کر بھی وہ آواز نہیں دے سکی۔ دن بھر اس کے دل میں بے بسی چھائی رہی۔

☆☆

بائیس

''آنٹی''

شام ہوتے ہی دروازے پر دستک ہوئی۔زینب نے سر اٹھا کر دیکھا دونوں بہنیں دروزے پر کھڑی مسکرا رہی تھیں۔

''ارے تم لوگ بے اختیار ہو کر ان دونوں لڑکیوں کو اپنی بانہوں میں لے کر سینے سے لگا لیا۔اسے عجیب سا سکون ملا۔

''آنٹی......آج پاپا نے جو کہا بتاؤں......'' کومل نے بھولے پن سے پوچھا۔

''ہاں بتاؤ کیا کہا؟''اس نے پوچھا۔

''ارم تم بتاؤ نہ......''

''پاپا نے مجھ سے کہا ہے کہ تم آنٹی کو منا کر اپنے گھر لے آؤ گی......''

''بس تم چپ رہو میں بتاؤں گی......پاپا نے کہا تم ڈاکٹر آنٹی کو منا کر اپنے گھر لانے کے لیے راضی کر لو تو دادی کے ساتھ سب لوگ جا کر ان کو لے آئیں گے۔''ارم نے پوری بات بتائی۔

''پھر پاپا بیمار ہوں گے تو کومل کو بھاگ کر آپ کو بلانے نہیں آنا بڑے گا۔''

''ہم آپ کو مما بنا کر لے جائیں گے۔''ارم نے پھر اپنی بانہیں اس کے گلے میں ڈال دی۔زینب کو لگا یہ سب کاشف نے ان کو سمجھایا ہے۔ساری خوشیاں اس کے قدموں میں تھی۔اس کے منھ سے کوئی لفظ نہیں نکلا۔

''میں نے سوچا ایک شادی شدہ شخص اور دو بیٹیوں کا باپ جو کوئی رشتہ سنبھال کر نہیں رکھ سکا تمھیں کیا دے سکتا ہے۔''

وہ ایک دم پیچھے مڑی، دیکھا کاشف کھڑا تھا۔اچانک اس کے موبائل کی گھنٹی بجنے لگی۔

''ہیلو...... میں نیلم بول رہی ہوں۔ میں ماں کے ساتھ کل آرہی ہوں۔''

اس کا فون سن کر ان کی باتیں ختم ہوگئی۔ زینب نے کمل کو فون کر کے خبر دی۔

''وہ کل آرہی ہے۔'' اس کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا۔

''کاشف ہمیں بہت ساری تیاریاں کرنی ہے۔'' وہ کاشف سے بولی۔ اس کی آواز میں خوشی چھلک رہی تھی۔ زینب کو اتنا خوش دیکھ کر اسے بھی اچھا لگا۔

''کل اسے ریسیو کرنے ایئر پورٹ چلو گے۔'' وہ بات کی رخ بدلنے کی کوشش میں دوسری باتوں کا سہارا لے رہی ہے۔ کاشف سمجھ گیا۔

''اب خوب رونق ہو جائے گی۔ تم سب چلو، میرے ساتھ چلو گی۔ کومل اور ارم کل خوب ٹافی بھی لیں گے۔''

اگلے دن موسم کچھ بدلا بدلا تھا۔ گزشتہ رات ماحول میں بدلاؤ ہو گیا۔ گھرے گھرے بادل ...... ہوا میں تیزی تھی۔ پھر بھی زینب کو موسم کی پرواہ نہیں تھی۔ اس وقت چاہے اُولے بھی پڑتے تب بھی وہ نیلم کو لینے ایئر پورٹ جاتی۔ اسے لگ رہا تھا جیسے ایک زمانے بعد نیلم کو خوشیاں حاصل ہو رہی ہے۔ میں کتنی جلدی اس کی جھولی میں خوشیوں کا گلدستہ ڈال ددوں۔

زینب نیلم کا انتظار کر رہی تھی۔ اسے لگ رہا تھا آج سورج کتنی دھیمی چال سے چل رہا ہے۔ اس کے کانوں میں کاشف اور اس کی بیٹیوں کی باتیں گونج رہی تھی۔ دیر رات تک وہ ان باتوں کے جادو میں کھوئی گم صم پڑی رہی۔ اس کی زندگی میں ایک بڑا بدلاؤ آ گیا۔

اس بڑے بدلاؤ نے زینب کی زندگی میں ایک نیا سورج نکال دیا۔ اب اسے اپنے چاروں طرف روشنی ہی روشنی نظر آرہی تھی۔ اس روشنی کے بیچ وہ آسمان پر اڑتے بادلوں کے ٹکڑوں کی طرح کسی نامعلوم جنت کی طرف اڑی جا رہی تھی۔

شام کو نیلم اور اس کی ماں آگئیں۔ سب انہیں ایئر پورٹ پر لینے گئے تھے۔ نیلم کی ماں کو دیکھ کر کمل نے ان کے پیر چھوئے اور پوچھا۔ ''آپ کا سفر کیسا رہا۔''

نیلم کی ماں نے حیرانی سے دیکھتے ہوئے کمل کو آشیرواد دینے کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ زینب کو لگا یہ کتنا اچھا طریقہ ہے بڑوں کی عزت کرنے کی۔ پیر چھونے سے پہلے ہی سامنے والے کے دل سے خود ہی دعا کے بول نکل جاتے ہیں۔ اس رسم سے تو اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ دشمن بھی

ایک بار تو نرم پڑ ہی جاتا ہے۔

کاشف نے دیکھا زینب کی سیاہ خوبصورت اور صاف آنکھیں جھیل جیسی لگ رہی ہیں۔اس کے چہرے سے اداسی کا ڈیرہ غائب ہے۔سفید اور سرخ چہرہ سونے کی طرح دمک رہا ہے۔ہنسی مذاق کی باتیں ہو رہی تھیں۔

اسے ایسے لگ رہا تھا جیسے اس پر خوشی اور ولوے کی بارش ہو رہی تھی۔نیلم کمل سے خوشی خوشی ملی۔گاڑیاں سڑکوں کو پار کر کے حویلی کے برآمدے میں آ کر کھڑی ہو گئیں۔نوکروں نے جلدی سے ان کا سامان اتار کر اندر لے گئے۔سب لوگ ڈرائنگ روم میں آ کر بیٹھ گئے۔چائے ناشتہ کرتے ہوئے بچوں کے ساتھ بیٹھے رہنے کی وجہ سے ہنسی مذاق کی باتیں ہوتی رہیں۔

روشندان سے دھوپ کی سنہری کرنیں کمرے میں داخل ہو رہی تھیں۔دیکھتے دیکھتے ان کرنوں کا رنگ سنہری سے تھوڑا گہرا لال رنگ ہو کر، کچھ سیاہ ہو کر رات کے آنے کی خبر دے رہے تھے۔

زینب نیلم کی ماں کو اپنی ماں کے پاس چھوڑ کر نیلم کو اپنے کمرے میں لے گئی۔اس نے پوچھا ''ایسا لگتا ہے تم نے ماں کو نہیں بتایا ہے......''

''ہاں میں صرف یہ کہہ کر لائی ہوں کہ تمہاری شادی میں چل رہے ہیں۔''

''کیا......میری شادی......ارے ابھی تو کوئی بات ہی نہیں ہوئی ہے۔تجھے کیا خواب آیا تھا کہ میری شادی کی بات کل......'' زینب کو اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ میں نے تو خود ہی پورا راز بتا دیا ہے۔

''تو کل شادی کا دعوت نامہ آپ کے پاس آ ہی گیا......''

دونوں ہنس پڑیں۔دونوں نے طے کیا کہ رات میں کھانے کے بعد کاشف کو بلا کر ماں جی سے بات کروا دوں گی۔وہ پوری بات کر لے گا۔

''اور تمہارا معاملہ کہاں تک پہنچا ہے؟''

''بس دو قدم آگے بڑھا ہے۔'' کہہ کر زینب ہنسنے لگی۔اس کے چہرے کے احساس سے نیلم کو لگا کوئی بات ضرور ہوئی ہے۔اس کا چہرا بول رہا ہے۔

جمیلہ نے آ کر کھانے کے لیے بلایا۔لذیذ کھانا کھاتے ہوئے نیلم کی ماں نے کہا۔

''آپ کا باورچی بہت اچھا کھانا بناتا ہے۔''

''اس نے اپنی زندگی ہمارے ہی گھر میں بتائی ہے۔ان کے گھر والے نہیں رہے اور بیوی بھی کم عمری ہی میں انتقال کر گئی تھی۔اب یہ ہمارے گھر میں رکن کی طرح سے ہمارے ساتھ رہتا ہے۔''اقرا نے بتایا''اس کے رہنے سے مجھے گھر کی کوئی فکر نہیں ہوتی۔''

''نیلم کی ممی کو ان کا کوئی رشتہ دار اس سے ملواتی ہوں۔''کہہ کر زینب نیلم کی ماں سے جا کر بولی۔''ماں جی میرے ساتھ تھوڑی دیر کے لیے باہر چلئے۔''

وہ سویتا دیوی کو گاڑی میں بیٹھا کر حویلی سے باہر لی آئی۔فون کر کے کاشف کو بلایا۔

''کاشف اس نے تو ماں کو کچھ نہیں بتایا۔تم میرے ساتھ کسی ہوٹل میں چلو جہاں ہم بیٹھ کر ان کو ساری باتیں کہہ سکیں۔وہ مناسب جگہ پر لے گیا۔دونوں نے نیلم کی ماں کو پوری باتیں بتائی۔

''جیتی رہو بیٹی۔''اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ان کی تکلیف باندھ توڑ کر باہر نکلی۔چشمہ اتار کر پلو سے آنکھ صاف کرتے ہوئے بولی۔''بیٹا اب میں سکون سے مر سکوں گی۔''

''ماں جی ابھی تو آپ نیلم بہن کی ساری خوشیاں دیکھیں گی۔''

وہ لوگ گھر آئے۔تینوں اپنے اپنے خیالات میں گم تھے۔خوشی سے چمکتے چہرے کو دیکھ کر نیلم سمجھ گئی۔ماں بہت خوش ہے۔تھوڑی دیر بعد ہی کاشف کمل اور اپنی ماں عالیہ بیگم کو لے کر آیا۔سب لوگ ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔

''میں اپنے دوسرے بیٹے کمل کمار کا رشتہ نیلم بیٹی کے لیے لے کر آئی ہوں۔''

''زینب کی ممی آپ ان کو بتا دیں ہمیں منظور ہے۔''نیلم کی ماں نے خوش ہوتے ہوئے اقرا کی ماں سے کہا۔

''ہاں...... یہ تو بہت خوشی کی بات ہے...... زینب ان کا منھ میٹھا کراؤ، تمہاری سہیلی کا رشتہ طے ہوا ہے۔''اقرا بھی خوش ہو کر بولی۔''دونوں کی جوڑی اچھی رہے گی۔''اسے پہلے کسی نے کچھ بتایا نہیں تھا پھر بھی اتنے دن سے کمل کو دیکھ رہی تھی۔اسے اچھا لگا۔

زینب نے تو اپنی ماں کو نیلم نے جو اس کی مشکل کی گھڑی میں مدد کی وہ سب بتا دی تھی۔اسی وجہ سے وہ نیلم کو چاہتی تھی۔

اقرا بولی۔''زینب کے پاپا کو بلا لیتے ہیں۔وہ تین چار دن میں آجائیں گے۔تب ان

کی شادی کرادیں گے۔'' سب کے جانے کے بعد اقرا اپنے شوہر کو فون کرنے اپنے روم میں چلی گئی۔

رات کو ماں بیٹی اپنے روم میں سونے گئیں تب اس کی ماں نے کہا'' نیلی تم مجھے بتا دیتی تو میں کچھ تیاری کے ساتھ آتی۔ اب کیسے ہوگا ہم تو ایسے ہی آ گئے ہیں......''

''میں جو آپ کی بیٹی ہوں......'' زینب نے اندر آتے ہوئے ان کی باتیں سن کر کہا۔

''وہ ٹھیک ہے......تم نے اتنا کیا وہ ہی بہت ہے، شادی کا خرچ تو میں ہی کروں گی''

''ممی جی آپ فکر نہ کریں، آپ جیسا چاہیں گی ویسا ہی ہوگا۔''

''لیکن کیسے؟''

''میں آپ کی عزت کو ٹھیس نہیں پہنچنے دوں گی، آپ رو کیے میں ابھی آتی ہوں۔''

زینب اپنے کمرے میں جا کر چیک بک لے آئی۔

نیلم کو دیتے ہوئے بولی۔'' چاہے جتنی رقم ادھار لے لو گھر جانے کے بعد بھیج دینا۔ اب تو ٹھیک ہے نہ آنٹی۔ شادی تو آپ کے گاؤں اجیت پور میں ہی ہوگی۔ ہم بارات لے کر آئیں گے۔

نیلم کی ماں نے اسے گلے لگا لیا۔ تو نے مجھے شرمندہ ہونے سے بچا لیا۔ تمہارے ماں باپ نیلی کی شادی کرتے اچھی بات ہے لیکن میں پہلی بار ہی آئی ہوں اور اتنا......''

''اب ساری فکر چھوڑیے اور آرام سے سو جایئے۔'' اس نے انہیں لیٹا کر چادر اوڑھاتے ہوئے مسکان کے ساتھ کہا۔

صبح اٹھتے ہی ماں بیٹی نے سوچا سادگی سے شادی کرنی ہے۔ پھر یہیں ہی ٹھیک ہے۔ انہوں نے زینب کو بتا دیا۔

☆☆

تیئس

صبح جب گھر میں ارم کو معلوم ہوا کہ کمل انکل کی شادی ہو رہی ہے تو وہ دادی کے پاس گئی۔ پاس میں بیٹھتے ہوئی بولی۔ ''دادی......آپ کی عمر تو اتنی زیادہ ہوگئی ہے، اب کچھ بھی یاد نہیں رہتا۔اب سب کام مجھے ہی کرنا پڑے گا نا......''

ارے میری کتنی عمر ہوئی ہے تو ہی بتا دے میری دادی......یہی ساٹھ کی نا۔''

''تب ہی تو آپ کو بھولنے کی عادت ہوگئی ہے۔اب سب مجھے ہی تو کرنا ہے، کتنی ساری تیاریاں کرنی ہے۔شاپنگ کرنی ہے۔ میں یہ کام نپٹاتی ہوں، آپ جا کر بس ایک کام کریئے شاید وہ بھی آپ سے نہیں ہوگا......میرے ساتھ چلئے میرے پاپا کی شادی کی بات کرنی ہے۔''

''کس سے''

''اوہ دادی! آپ کو کچھ یاد نہیں رہتا، ہمارے سامنے ایک لڑکی رہتی ہے۔ان سے میرا مطلب ڈاکٹر زینب سے......'' جیسا اسے زینب نے سمجھایا تھا اس نے کیا۔

ایکا ایک عالیہ بیگم چونک گئیں۔ یہ ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے، مجھے رات کو یہ بات بھی کر لینی تھی۔

''غلطی ہوگئی مجھ سے......چل اٹھ چلتے ہیں۔''

''کمل انکل آیئے مٹھائی کھانے چلنا ہے۔'' ارم نے کمل کو بھی ساتھ لے لیا۔اچانک ایک کار آ کر اقرا کی حویلی پہ رکی۔ارم نے کھڑکی سے گردن نکال کر باہر دیکھا۔پھر سب کی نظر ٹیرس پر رکی، پھر زینب اور نیلم پر رک گئی۔کمل کی بھی اسی وقت نیلم پر نظر گئی۔نیلم نے کوہنی مار کر اشارہ کیا۔

زینب نے سوچا کیا کام ہو گیا۔وہ دونوں ایک دم کئی سیڑھیاں ایک ساتھ پھلانگتی ہوئی

نیچے اتریں تو سانسیں پھول رہی تھیں۔

سب مل کر زینب کے گھر گئے۔اقرا، نیلم، جمیلہ سب جمع ہو گئے۔

کوئی بولے اس سے پہلے ہی ارم بول پڑی۔''ہم ہمارے پاپا کا رشتہ لے کر آئیں ہیں۔''

''اچھا......'' اقرا کو خوشی ہوئی۔

''ہمیں منظور ہے...... جمیلہ ارم کا منہ میٹھا کراؤ'' وہ خوش ہو کر بولی۔

''دادی چلئے ابھی تو ایک کام ہوا ہے۔ مجھے شاپنگ کرنے جانا ہے دو دلہنوں کے لیے شاپنگ کرنی ہے۔ مہمانوں کی فہرست بنانی ہے...... دعوت دینا ہے، کام ہی کام ہے شادی کا گھر ہے۔ یوں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے سے کام نہیں چلے گا۔'' ارم کے اس طرح کہنے سے سب کو ہنسی آ گئی۔

ارم نے گھر آ کر دادی سے، میں نیلم آنٹی کو کہتی ہوں وہ مما کو ساتھ لے کر شادی کے لیے کپڑے اور زیور خرید لے گی۔

''ہاں پاپا سے روپے لے کر آؤ'' عالیہ نے کہا۔آج ان کو کاشف کے پاپا کی بہت یاد آ رہی تھی۔

ارم عالیہ بیگم سے زینب کے بارے میں پوچھتی تو بات بات پر اس کی اچھائیاں بتاتی۔انہیں بے حد افسوس تھا اپنے بیٹے کی زندگی برباد ہونے کا۔

ان لوگوں نے سوچا تھا غزالہ سے شادی کرنے پر رئیس احمد ہمیں بھی اپنے کاروبار میں فائدہ دے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔اس نے تو اپنے برابر نہ ہونے دینے کے پلان سے بیٹی کی شادی اس گھر میں کی تھی۔ بیٹی کی رشتے داری کی وجہ سے جب چاہے ان کے کاروبار اور گھر میں دخل دینے چلے آتے تھے۔

کاشف کے پاپا کو اپنے کاروبار میں نقصان ہونے لگا۔اس نے ممبئی آتے ہی پتہ لگانا شروع کیا تو انہیں غزالہ کے پاپا کی سچائی سامنے آ گئی۔اسی وجہ سے کاشف کے پاپا کا غصے سے برا حال ہو گیا۔اسی وقت وہ گاڑی لے کر بات کرنے رئیس احمد کے گھر جا رہے تھے۔کار چلاتے وقت انہوں نے اپنا توازن کھو دیا اور ایکسی ڈینٹ ہو گیا۔

کار حادثے نے اس کے پاپا کی جان لے لی۔ کاروبار میں نقصان ہونے کی وجہ سے کاشف کو معلوم ہوا تھا لیکن ایکسی ڈینٹ کی وجہ سے اس نے نہیں سوچا کہ ایسا ہوا ہوگا۔

عالیہ کو بھی اس کے شوہر نے صرف یہی کہا تھا ہم نے غزالہ سے کاشف کی شادی کر کے بہت بڑی غلطی کی ہے۔ اس نے سوچا اس کے چڑچڑے مزاج کی وجہ سے ایسے کہہ رہے ہیں۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ پوری بات بتا کر اب اس کی زندگی اور برباد کیوں کروں۔ ان دونوں میں اور لڑائی بڑھ جائے گی۔

کاشف نے اپنے والد کے بعد اپنے پورے کاروبار کا خیال رکھا بلکہ اور بہتر کر لیا۔ اس کا ایک ہی مقصد تھا رات دن اپنے کام میں لگے رہنا۔ اس لیے والد کے انتقال کے بعد کبھی ہندوستان واپس نہیں آیا تھا۔ عالیہ بیگم کبھی چلی جاتیں یا کچھ وقت کے لیے غزالہ آ جاتی۔

عالیہ بیگم بھی اپنے بیٹے کی خوشی اپنے طریقے سے خوب اچھے ڈھنگ سے منانا چاہتی تھیں۔ کئی لوگوں کو بلا کر الگ الگ کام سونپ دیے۔ اسے لگا اب میرے گھر میں سچی خوشی آئے گی۔ ارم کو زینب کا آنا اچھا لگ رہا تھا کیوں کہ اس سے ملنے کے بعد اس کی تنہائی دور ہو گئی تھی۔ نیلم، زینب اور جمیلہ کو لے کر شاپنگ کرنے گئی۔ ان کے منع کرنے کے باوجود بھی کچھ سوٹ اور ساڑیاں پسند کرلائی۔ ساتھ میں اس کی ہاں میں ہاں ملانے والی جمیلہ تھی۔ جمیلہ کا کہنا تھا کہ شادی کا جوڑا تو کڑھائی دار ہی ہونا چاہیے۔

شادی کا دن آ گیا۔ بڑے سے لان میں ایک طرف نیلم کی شادی کا ہندو کا رسم ورواج سے انتظام تھا۔ تھوڑی دور پہ اسٹیج بنایا گیا تھا، جس پر دلہنیں اور دولہوں کے بیٹھنے کا انتظام تھا۔ دونوں نے ایک جیسے مہرون رنگ کی کڑھائی کی ہوئی شلوار قمیض میں، آج ان کا میک اپ نرالا تھا۔ جمیلہ اور ارم کی ضد کے آگے ان کو کڑھائی والے سوٹ لینے پڑے۔ زینب اتنی عمر میں بھی نظر لگنے کی حد تک خوبصورت لگ رہی تھی۔

زینب کی نظر سامنے گئی تو وہ حیران رہ گئی۔ ہاف وائٹ شلوار قمیض میں، آنکھوں میں چمک لیے چہرے پر شیو کی وجہ سے نیلا رنگ لیے کاشف سامنے کھڑا تھا اور ساتھ میں کمل کمار بھی تھا۔ رنگین آنچل، کھنکتے قہقہے لگاتے لڑکیوں کی شوخ ادائیں، حسن کی داد دیتیں بے باک مردوں کی بے باک نگاہیں، دیسی و دیسی پرفیوم کی ہوش اڑا دینے والی خوشبوئیں ہوا میں مہک

پھیلا رہے تھے۔فائیو اسٹار ہوٹل کا لمبا چوڑا مرکری لائٹ سے جگمگاتے لان میں شہر کی بڑی بڑی مشہور ہستیوں کی رونق تھی۔آرکیسٹرا کی مدھر موسیقی بھرے ماحول میں نشہ پیدا کر رہی تھی۔اقبال احمد کی پارٹی کبھی معمولی نہیں ہوتی۔چاہے ان کی شادی کی سالگرہ ہو یا کہ کوئی دوسرا پروگرام۔یہ تو بیٹی کی شادی کی پارٹی ہے۔ان کی گنتی شہر کے رئیسوں میں تھی۔

ہاف وائٹ کڑھائی دار مہنگی ساڑی میں اقرا ہلکے میک اپ میں بہت اچھی لگ رہی تھی۔براؤن تھری پیس میں اقبال احمد بھی بہت ہینڈسم لگ رہے تھے۔

''دولہوں کا باپ میں ہوں اور دلہنوں کا بھی۔آج میرے چار بچوں کی شادی ہے۔مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے۔'' اقبال احمد خوش ہو کر بولے۔

ارم،کومل اور عرش کو ساتھ لیے مہمانوں کے بیچ گھوم رہی تھی۔

''اس کی خوشیاں بس آج کی ہے اب دن رات سوتیلی ماں کی غلامی کرنا ہی اس کی قسمت ہے۔'' مسز شمع نے مسز لتا سے کہا۔

ارم کو سن کر بہت غصہ آ گیا۔اس نے ان سے کہا'' ہماری زینب مما ایسی نہیں ہیں،آپ غلط سوچتی ہیں۔آپ ایسا مت سوچیے،سب ایک جیسی نہیں ہوتیں۔''

جمیلہ کو اندازہ تھا کچھ عورتیں ایسا کچھ کہہ سکتی ہیں۔اس لیے وہ بچوں کی دیکھ بھال کے لیے ان کے ساتھ ہی تھی۔اسے بھی بہت برا لگا۔وہ اپنی حیثیت دیکھ کر خاموش رہی۔اس کا من تو ہوا کہ ان کے ہاتھ سے پلیٹ چھین کر باہر نکال دے۔

نکاح اور پھیروں کے بعد ودائی کا وقت آ گیا۔سب اپنے گھر گئے۔اقرا کی حویلی سے ودائی ہونی تھی۔سب لوگ دلہنوں کو لینے آ گئے۔سب حال میں بیٹھے تھے۔دلہنیں تیار ہو رہی ہیں۔

نیلم اپنے کمرے میں ماں کے پاس بیٹھی تھی۔کاشف سے رہا نہیں گیا وہ پہلے ہی زینب کے کمرے میں پہنچ گیا۔وہ بیٹھی کچھ سوچ رہی تھی۔کچھ یادیں پرانی،کچھ نئی اس کے چاروں طرف منڈرا رہی تھیں۔

''میں آپ کا غلام آپ کو لینے آ گیا ہوں۔'' کاشف نے مسکراتے ہوئے کہا۔

آواز آنے پر اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔پیچھے کاشف کھڑا تھا۔آنکھوں میں محبت کا رنگ تھا۔اسے دیکھتے ہی زینب کے چہرے پر ہزاروں رنگ بکھر گئے۔

''کب چل رہی ہو ہمارے ساتھ...... تین بچوں کا باپ تمہیں لینے آ گیا ہے۔'' اس نے بڑی ادا سے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کہاں ہیں بچے......'' زینب نے بھی اسے تنہا دیکھ کر شرارت سے کہا۔

''ہاں ہمارے بچے کہاں ہیں لے کر آتا ہوں۔'' کاشف کہتے ہوئے ہنسنے لگا۔

اب ہر طرف پیار ہی پیار نظر آ رہا تھا۔

کاشف اس کا 'کاشف' ...... سارے رشتوں سے پاک رشتہ شوہر بیوی کا...... اب خوبصورت پیارے رشتے سے اس کا قانونی شوہر ہے کاشف۔

زینب مسکراتے ہوئے اس کے ساتھ چل دی۔

KYUN KE.....
AURAT NE PYAR KIYA

(NOVEL)

by : Zaiba Rasheed

Translated by

Md Nehal Afroz

نام : محمد نہال

قلمی نام : محمد نہال افروز

پیدائش : 6/جولائی 1988

والد کا نام : احمد علی

والدہ کا نام : نجمہ بیگم

ابتدائی تعلیم : مدرسہ اسلامیہ ہائیر سیکنڈری اسکول، بھمئی دیوان گنج، پھول پور، الہ آباد

ایم۔اے : الہ آباد یونیورسٹی، الہ آباد

ایم۔فل : مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدر آباد

پی ایچ۔ڈی : مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدر آباد (جاری)

مستقل پتہ : امین گنج دیوان گنج، پھول پور، الہ آباد، اترپردیش-212402

موبائل نمبر : 9032815440،9616085785

ای میل : mdnehalafroz@gmail.com

DARUL ESHAAT-E-MUSTAFAI

3191, Vakil Street, Kucha Pandit, Lal Kuan

Delhi - 110006 (INDIA) , Ph: 011-23211540

81-88891-51-7